# نمل (نمرہ احمد)

''اور وحی کی آپ کے رب نے شہد کی مکھی کی طرف!''

## قسط نمبر: ۱۵

Special Episode

یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی نہیں گئی

یہ وہ کمرہ ہے جہاں میں کبھی سانس نہیں لے سکی

اندھیرا یہاں چمگادڑ کی طرح پھیلا ہے۔

کوئی روشنی نہیں سوائے ایک مدھم ٹارچ کے

(شہد کی مکھیوں کی) چینی زردی ہر شے پہ ہے۔

اور سیاہ غلبہ۔ تباہی۔ احساسِ ملکیت۔

مگر یہ وہ ہیں جو میری مالک ہیں۔

نہ ظالم نہ بے حس۔ صرف لاعلم۔

یہ شہد کی مکھیوں کا وقت ہے!

سرما میں وہ خود کو سارے برف زار میں پھیلا لیتی ہیں'

جہاں گرم دنوں میں مکھیاں صرف اپنے لاشے اٹھاتی تھیں۔

شہد کی مکھیاں سب عورتیں ہوتی ہیں۔

کنیزیں اور ملکہ۔

وہ اپنے مردوں سے چھٹکارا پا چکی ہوتی ہیں۔

موسم سرما عورتوں کے لئے ہے۔

کیا اس سرما میں ان کا چھتہ برقرار رہ پائے گا؟

کیا وہ اگلے سال میں داخل ہو سکے گا؟

وہ کس چیز کا ذائقہ محسوس کریں گی؟

کرسمس کے گلابوں کا؟
شہد کی مکھیاں آزاد اڑنے لگی ہیں۔
وہ بہار کی چمک محسوس کررہی ہیں۔

(سلویا پلاتھ)

ہاشم سے جلد معذرت کر کے وہ دونوں اٹھ آئیں۔خاموش۔بالکل خاموش۔

گھر میں کھانے کی میز سیٹ تھی۔حنین اور زمر چپ چاپ آکر بیٹھ گئیں۔کھانا شروع ہوا۔حنہ نے چند لقمے بمشکل لئے۔زمر کی تو بھوک مرچکی تھی۔فارس کھانا کھاتے ہوئے غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔مگر بولا کچھ نہیں۔

ادھر کھانا ختم ہوا'ادھر حنہ بیسمنٹ کی طرف چلی گئی۔وہ بھی تیزی سے پیچھے گئی۔سب مڑ مڑ کر ان کو دیکھ رہے تھے۔انہیں کیا ہوا؟

پہلے زمر نے تہہ خانے کا دروازہ لاک کیا۔پھر نیچے آئی تو دیکھا'حنہ ادھر ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

''حنین یاد ہے میرے نکاح والے روز سعدی کسی حلیمہ سے اس کے باس سے ملنے کی اپائنٹمنٹ لے رہا تھا؟''

''سارے شہر میں ایک ہاشم کی سیکرٹری تو نہیں ہو گی حلیمہ نام کی۔''حنین ماننے کو تیار نہ تھی۔زمر تیز نظروں سے اسے گھورتی سامنے آکھڑی ہوئی۔

''مگر سارے شہر میں جس حلیمہ کا باس تمہارے ایگزام میں چیٹنگ والی بات جانتا تھا'وہ ہاشم ہی تھا۔''

حنین ایک دم شل رہ گئی۔

''دیکھو حنہ،ہاشم ہمیں پہلے دن سے کہہ رہا ہے کہ وہ سعدی سے اس شادی کے بعد سے نہیں ملا۔''اس نے کرن'حماد کے جاننے والوں کی شادی کا ذکر کیا(وہ شادی جس پہ زمر نے مسز جواہرات سے مدد مانگی تھی)''مگر ہاشم ہم سے جھوٹ بول رہا تھا۔نوشیرواں بھی جھوٹ بول رہا ہے۔دونوں ضرور کچھ جانتے ہیں۔''

''کبھی نہیں۔وہ کبھی ایگزام والی بات بھائی کو نہیں بتائیں گے۔''وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔''اور بھائی کو ہاشم سے ملنے کے لیے اپائنٹمنٹ کی کیا ضرورت؟ بھائی کے کال ریکارڈز میں بھی آپ کے نکاح کے وقت کسی کو کال کرنے کا ریکارڈ نہیں ملا تھا۔''

''ہوسکتا ہے وہ کوئی اور سم استعمال کررہا ہو۔کچھ تو تھا اس ملاقات میں جو ہاشم نے اسے ہم سے چھپایا۔''

''ہاشم... ہاشم!بس کردیں پھپھو!''وہ ایک دم چلائی تھی۔''ہر وقت ہاشم برا ہے کی گردان۔کیا بگاڑا ہے انہوں نے آپ کا؟''

زمر کے ابرو ناگواری سے بھینچے۔''تمہارے دماغ پہ جو پٹی چڑھی ہے'اس کو اتار کر دیکھو گی تو نظر آئے گا۔''

''مجھے آپ کو وہ سب بتانا ہی نہیں چاہیے تھا۔پتہ تھا ایک دن آپ مجھے یونہی جج کریں گی۔''بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

پھر آنکھیں رگڑیں۔ایک دم ذہن میں جھما کہ سا ہوا۔

''وہ نیکلیس...جو بھائی کی جیب میں کسی نے پارٹی والے دن ڈالا تھا۔وہ نیکلیس بھائی کی چیزوں میں نہیں تھا جب ہم ادھر آئے تھے۔اگر واقعی بھائی ہاشم سے ملنے گیا تھا تو ہو سکتا ہے وہ وہی واپس کرنے گیا ہو۔کیا بتاتے ہاشم ہمیں؟چوری شدہ نیکلیس واپس کرنے آیا تھا سعدی؟ان کو لگا ہو گا کہ ہم غلط سمجھیں گے'سو بھائی کی عزت رکھی۔''وہ زمر سے زیادہ خود کو تسلی دے رہی تھی۔

''تو پھر سعدی کی کون سی عزت رکھنے کے لئے ہاشم نے اس کو ایگزام والی بات بتائی؟''

ایک دم حنہ کی آنکھوں میں غصہ در آیا۔''انہوں نے کچھ نہیں بتایا ہو گا۔میں کبھی یقین نہیں کر سکتی۔مگر آپ تو مجھے جج کریں گی نا اب۔ٹھیک ہے'ساری عقل آپ میں ہے'میں اندھی سہی۔''

زمر پیر پٹخ کر مڑی اور سیڑھیاں چڑھتی گئی۔حنین گہرے گہرے سانس لیتی وہیں کرسی پہ بیٹھ گئی۔اس کی رنگت اڑ چکی تھی اور ہاتھ پیروں میں جان نہیں تھی۔مگر گردن نفی میں ہل رہی تھی۔(میں کبھی یقین نہیں کروں گی۔زمر اپنے بغض اپنے پاس رکھیں۔کبھی ان کو فارس ماموں قاتل لگتے ہیں'کبھی ہاشم۔)

اس نے موبائل اٹھایا اور اسکرین روشن کی۔ہاشم کا آخری پیغام''کین آئی کال یو؟'' ڈیڑھ ماہ پہلے آیا تھا۔پورا اگست دونوں کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ابھی پھر اس کا میسج آیا۔

''زمر جانتی ہیں کہ تم مجھ سے بات کرتی ہو؟''اس نے پوچھا۔

''میں تو پچھلے سات سالوں سے آپ سے بات کرتی آئی ہوں'اس میں چھپانے والی کیا بات ہے؟''وہ بظاہر حیران ہوئی'مگر ذہن مزید الجھتا جا رہا تھا۔مگر وہ بات کرتی گئی۔

زمر اوپر کمرے میں آ کر بیٹھی تو شدید غصے میں تھی۔وہ صوفے پہ بیٹھا'سیل فون پہ کچھ ٹائپ کر رہا تھا'نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔''میں سن رہا ہوں۔''

وہ چونک کر فارس کو دیکھنے لگی۔''کیا؟''

''وہی جو آپ کہنا چاہتی ہیں۔بتائیں'کیا مسئلہ ہے؟''

اور اس ایک لمحے میں زمر کو لگا'اگر کوئی ایک شخص تھا جو واقعی تحمل سے اس کی ساری بات سنے گا تو وہ وہی تھا۔وہ اس کی طرف گھومی۔

''تم نے کوئی اتنا اندھا انسان دیکھا ہے'کبھی جس کے سامنے ایک ہزار ثبوت لا کر رکھو'تب بھی وہ نہ مانے؟''

فارس نے نظر اٹھا کر سر سے پیر تک زمر کو دیکھا۔''جی۔دیکھا ہے۔''زمر غور کیے بنا کہہ رہی تھی۔

''لوگ اتنے اندھے کیوں ہو جاتے ہیں کہ نہ بات سنیں نہ سمجھیں؟''

''کیونکہ ان کے ایموشنز انوالوڈ ہوتے ہیں۔''

زمر بالکل چپ ہو گئی، پھر سر جھٹک کر رخ پھیر لیا۔ وہ چند لمحے اس کو دیکھتا رہا۔ ''آپ اور حنہ بیسمنٹ میں کیوں گئی تھیں؟'' مگر زمر کے پاس جواب تیار تھا۔

''حنین سے کہا تھا ایک کلائنٹ کے لیے کچھ کام کرنے کو، وہی دیکھ رہی تھی۔'' اسے پتہ تھا زمر جھوٹ نہیں بولتی، سو مطمئن ہو گیا۔ مگر وہ خود شدید غیر مطمئن تھی اور اس سب میں دراز میں رکھا کی چین اس کے ذہن سے یکسر محو ہو چکا تھا۔

جب کنجِ قفس مسکن ٹھہرا، اور جیب و گریبان طوق و رسن

آئے کہ نہ آئے موسم گل، اس دردِ جگر کا کیا ہو گا؟

نیچے تہہ خانے میں بیٹھی حنین موبائل پہ ٹائپ کر رہی تھی۔ ''او کے گڈ نائٹ۔'' فون رکھا تو خُمر کا اثر ہوا ہونے لگا۔ سکون ختم ہو گیا۔ وہ تو زخم پہ صرف برف کی ڈلی رکھ رہی تھی۔ ادھر برف پگھلی، ادھر جلن پھر سے شروع۔

جب سوچوں سے تنگ آ گئی تو شیخ کی کتاب اٹھائی اور وہیں فرش پہ بیٹھ گئی۔

پچھلے دو ماہ سے اس نے یہ کتاب نہیں پڑھی تھی۔ جب بھی تکلیف ہوتی، وہ ہاشم میں ''ڈسٹریکشن'' ڈھونڈتی۔ اب صفحے کھولے تو روشنی کا سا چمکتا دروازہ سامنے نظر آیا۔ اسے دھکیلا تو قدیم دمشق کی ایک دوپہر کھلتی چلی گئی۔

مدرستہ الجوزیہ کے سامنے کا منظر نامہ زرد سا تھا۔ ایسے میں مسجد کے سامنے درخت تلے بیٹھی تھی۔ وہ تھک چکی تھی۔ تکان بہت شدید تھی اور اپنا آپ کمزور محسوس ہو رہا تھا۔

وہ کتنی دیر وہیں تپتی دوپہر میں بیٹھی رہی۔ قریب میں پانی کا جوہڑ تھا۔ وہ کنکر اٹھا اٹھا کر اس میں پھینکتی رہی۔ پانی میں دائرے بنتے رہے۔ دفعتاً اس نے قدموں کی چاپ سنی۔

سر اٹھایا تو ہر طرف سے لوگ چلتے ہوئے اس کے قریب آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ اس کے گرد دائرہ سا لگ گیا۔ ہجوم کا دائرہ۔ وہ سب اسے دیکھ رہے تھے، چہ مگوئیاں کر رہے تھے۔ وہ الجھی ہوئی سی بیٹھی تھی۔ تبھی لوگوں نے راستہ چھوڑا اور حنہ نے دیکھا، اس کے باریش شیخ استاد قدم قدم چلتے آ رہے ہیں۔ وہ اسی طرح بیٹھے ان کو ٹکر ٹکر دیکھے گئی۔ وہ اس کے قریب آ ٹھہرے۔ تاسف بھری مسکراہٹ سے اس کا چہرہ دیکھا۔ تبھی ایک صدا لگانے والے نے صدا لگائی۔

''کیا ہے اس شخص کی دوا جس کو ایک لاعلاج مرض نے یوں جکڑ لیا ہو کہ اس کا دین اور دنیا دونوں برباد ہونے والے ہوں؟''

شیخ نے گہری سانس بھری۔ ''اللہ نے اتاری ہے ہر مرض کی دوا۔ جو اسے جانتا ہے وہ اسے جانتا ہے، جو اسے نہیں جانتا، وہ اسے نہیں جانتا۔''

اور تب حنہ نے دیکھا کہ شیخ کے ساتھ کوئی موجود ہے۔ اس پرانے زمانے کے پرنٹ میں ایک رنگین لڑکی۔ اس کی عینک لگی تھی، بالوں کی فرنچ چوٹی تھی۔ چہرہ تازہ اور شاداب تھا، اور وہ حنین کی طرف اشارہ کر کے شیخ سے پوچھ رہی تھی۔

''اسے کیا مرض لاحق ہے؟''

درخت تلے بیٹھی حنہ نمک کا مجسمہ ہو گئی۔ ششدر۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے ساتھ والی لڑکی سے گویا ہوئے۔

''اسے مرضِ عشق ہے۔''

حنین ایک دم بدک کر کھڑی ہوئی۔ بے یقینی سے سر نفی میں ہلایا۔ ''یہ سب غلط ہو رہا ہے۔ میں یہاں نہیں ہوں' میں وہاں ہوں'' اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''یہاں... یہاں تو وہ بیٹھا ہوتا تھا۔ وہ لاغر' کمزور' ہڈیوں کا پنجر... وہ بیمار شخص۔ مجھے... مجھے کوئی بیماری نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' دونوں بازو سینے پہ پھیلائے' وہ وحشت سے کہہ رہی تھی۔ پھر قدم بڑھائے تو جوہڑ کنارے زنجیر پا ہوئی۔ پانی میں اپنا عکس جھلملایا۔ وہ ڈل' کمزور اور بے رونق چہرے والی' کہیں کھوئی کھوئی سی لڑکی۔ وہ واقعی اس کا چہرہ تھا۔ اس نے بے یقینی سے نفی میں سر ہلایا۔ وہ اس کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

''علاج کے لئے ضروری ہے کہ مریض کو اپنے مرض کا ادراک بھی ہو۔ وہ خود صحت یاب ہونا چاہے' تب ہی ہو سکتا ہے۔ کیا تم ٹھیک ہونا چاہتی ہو؟''

حنین کا گویا دل ہی ٹوٹ گیا۔ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے وہ زمین پہ بیٹھتی چلی گئی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے رواں تھے۔

''یہ میں نہیں ہوں۔ یہ میں نہیں ہو سکتی۔'' ہاتھ مٹی پہ رکھے وہ رونے لگی تھی۔ ''میں اس بیمار شخص جیسی نہیں بننا چاہتی۔ میں کیا کروں، شیخ؟''

وہ پنجوں کے بل اس کے ساتھ بیٹھے۔

''میرے پاس تمہارے مرض کا علاج ہے۔ اس کے لئے تمہیں میرے ساتھ چلنا ہوگا۔'' وہ نرمی سے کہہ رہے تھے۔ ''دوائے شافی کے سفر پہ۔ تم چلو گی' لڑکی؟''

حنین نے کتاب بند کی تو آنکھوں سے آنسو گر رہے تھے۔ نفی میں سر ہلاتے اس نے آنکھیں رگڑیں۔ ''مجھے کوئی مرض نہیں ہے۔ میں ٹھیک ہوں۔ مجھے نہیں پڑھنا اس کتاب کو۔'' اس نے گھٹنوں میں سر دے دیا۔ برف کی ڈلی لگانا' زخم پہ مرہم لگانے سے زیادہ آسان تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں

کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں

وہ صبح چمکیلی اور گرم طلوع ہوئی تھی۔ اوائل ستمبر کے دن تھے۔ جس میں کمی تھی مگر گرمی ہنوز ویسی ہی تھی۔ انیکسی میں ناشتے کی خوشبو پھیلی تھی۔ فارس آفس کے لئے تیار' چائے پی رہا تھا۔ زمر ہاشم کو فون کر کے سالگرہ کی تقریب کے ملتوی ہونے کا بتا کر معذرت کر رہی تھی اور

سیم اس پہ خوش نہ ہونے کے باوجود خاموش تھا۔

اسی دوران حنہ نے فارس سے کہا کہ اسے ریسٹورانٹ چھوڑ دے۔ ہامی بھر کر وہ کہنے لگا۔

''جیسے زمر کی کلائنٹ کے لیے کیا' ویسے ہی میرا ایک کام کر دو گی؟''

حنہ نے چونک کر زمر کو دیکھا۔ زمر نے بظاہر اطمینان سے فون رکھا اور ادھر آئی۔

''فارس پوچھ رہا تھا کہ رات ہم بیسمنٹ میں کیا بات کر رہے تھے تو مجھے بتانا پڑا کہ کس طرح تم نے میری کلائنٹ کے کانٹیکٹ کا اکاؤنٹ کھول کر دکھایا مجھے۔'' آنکھوں میں اشارہ کیا۔ حنین نے نظریں جھکا دیں۔ ''جی۔ کر دوں گی۔''

وہ چابی اور والٹ لینے اٹھ گیا۔ میز کے گرد وہ دونوں رہ گئیں۔ ابا اور سیم کافی فاصلے پہ ٹی وی کے آگے بیٹھے تھے۔

حنین نے صرف ایک ناراض نظر اس پہ ڈالی۔

''کیا یہ دھمکی تھی؟ کہ اگر میں نے یہ کانٹیکٹ ختم نہیں کیا تو آپ ماموں کو بتا دیں گی؟''

زمر نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں اس سے نہیں' ہاشم سے بات کروں گی اب' اور جس دن میں نے ہاشم سے بات کی نا' وہ تمہاری طرف دیکھنے سے بھی جائے گا' اس لئے بہتر ہے کہ تم خود سے رابطہ ختم کر دو۔'' اسے گھورا۔ بہت ہو گئی نرمی اور لاڈ۔

حنین کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ (''میں کیا کروں' اللہ تعالیٰ؟'') پھر ٹی وی پہ نگاہ پڑی۔ ابا چینل بدلتے ہوئے ایک لوکل کیبل چینل پہ رکے، جس پہ تلاوت لگی تھی۔ ایک ہی نظر میں حنہ نے پہلی سطر پڑھی۔

''وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْل.. (اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کی طرف)..'' مگر فارس واپس آ گیا تھا اور زمر سے کچھ آہستہ آواز میں پوچھ رہا تھا۔

''جب میں رہا ہوا تو سعدی نے مجھے بتایا کہ اس نے جج کو بلیک میل کیا ہے۔ اس کے پاس جج کے خلاف مواد تھا۔ وہ مواد مجھے اس کی چیزوں سے نہیں ملا۔''

''اس کے لیپ ٹاپ میں بھی کچھ نہیں ہے۔ اس نے یقیناً جج کو واپس کر دیا ہوگا۔''

حنین بے دھیانی سے سننے لگی۔ ندرت اپنا مگ اٹھائے آ بیٹھیں تو ان کی بات پہ رخ موڑ لیا۔ یہ باتیں ان کو عجیب سی وحشت میں مبتلا کرتی تھیں۔ مگر وہ ان کو ان پیچیدگیوں میں پڑنے سے روک بھی نہیں سکتی تھیں۔ فارس کہہ رہا تھا۔

''مگر سعدی نے ایک کاپی ضرور رکھی ہو گی اور کوئی اس بارے میں ضرور جانتا ہو گا۔''

زمر کھڑی ہوئی۔ ''اس 'کوئی' کو ریسٹورانٹ بلاؤ' اور اس سے کہو کہ انسانوں کی طرح سب اگل دے' ورنہ اچھا نہیں ہو گا۔''

قصرِ کاردار کے ڈائننگ ہال کی اونچی کھڑکیوں سے سبزہ زار پہ حنہ اور فارس کار میں بیٹھتے نظر آ رہے تھے۔ اگر ہال میں دیکھو تو سربراہی

کرسی پہ بیٹھی جواہرات تمکنت سے گردن اٹھائے خاور کو دیکھ رہی تھی۔ ہاشم بھی ناشتہ کرتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ مودب سا کھڑا کہہ رہا تھا۔

''...بظاہر یہ صرف گیس لیکج کی وجہ سے ہوا۔ مگر ڈاکٹر بخاری اور ڈاکٹر ایمن نے کھلم کھلا نیاز بیگ کے بھائی کو الزام دینا شروع کر دیا۔ اس کے خلاف ایک کیس بڑھ گیا۔''

''ہاں تو مسئلہ کیا ہے؟ ان کے آپس کے مسئلے ہیں یہ۔'' جواہرات نے ناک سے مکھی اڑائی۔ خاور ہلکا سا مسکرایا۔

''مسئلہ یہ ہے مسز کاردار کہ سب کچھ بہت پرفیکٹ تھا۔ گارڈز کو مارا نہیں گیا' جلنے نہیں دیا' بلکہ آگ سے دور کر دیا گیا' اسٹریٹ لائٹس آف ہو گئیں' آگے پیچھے کے سی سی ٹی وی خراب کر دیے گئے۔ علیم بیگ ایک غنڈہ ہے' اور غنڈے ایسی پرفیکشن سے کام نہیں کرتے۔''

''فارس!'' ہاشم نیپکین سے لب تھپتھپاتے پیچھے ہو کر بیٹھا۔ ''یہ فارس نے کیا ہے' ہے نا؟''

خاور نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''مجھے بھی یہی لگا' یہ اسی کا اسٹائل ہے' مگر اس رات وہ گھر پہ ہی تھا۔ گارڈز نے اسے آتے دیکھا...اور پھر صبح جاتے دیکھا۔ وہ رات گھر سے نہیں نکلا۔ یہی بات مجھے سمجھ نہیں آئی۔''

''ہو سکتا ہے اس نے کسی اور کے ذریعے یہ کام کروایا ہو۔''

''بہر حال میں پتہ کر رہا ہوں۔'' وہ چلا گیا تو نوشیرواں آتا دکھائی دیا۔ نیند سے بھری آنکھیں' اور سست انداز کرسی پہ ڈھے سا گیا۔ ذرا حواس بیدار ہوئے تو گفتگو کی طرف توجہ کی۔ جواہرات' فکرمندی سے کہہ رہی تھی۔

''اس ڈاکٹر نے فارس کے خلاف گواہی دی تھی۔ اس کے شوہر نے سعدی کو غائب کروایا۔ یقیناً فارس نے ان سے بدلہ لیا ہے۔''

''ضروری نہیں ہے یہ اس نے کیا بھی ہو۔ وہ ابھی جیل سے آیا ہے۔ مزید ٹربل افورڈ نہیں کر سکتا۔'' ہاشم پر یقین نہیں تھا۔ پھر شیرو کو دیکھا جو اپنے ناشتے کو ڈھکا شیشے کا کور اٹھا رہا تھا۔ ہاشم مسکرایا۔

''یعنی نوشیرواں کاردار آج آفس وقت پہ آئیں گے۔''

شیرو نے جمائی روکتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

''لیکن سعدی پھر ہمارے لئے لازمی کام کرے گا۔'' شرط یاد دلائی۔

''بالکل۔ میں تین چار دن تک جاؤں گا اس سے ملنے۔ جو تفصیلات چاہئیں وہ لے کر ہی آؤں گا۔'' سیل فون اٹھاتے ہوئے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ جواہرات نے فکرمندی سے اسے دیکھا۔

''تم سعدی سے چھٹکارا حاصل کرو ہاشم۔ وہ تمہیں نقصان دے گا۔''

''کچھ نہیں کر سکتا وہ۔'' بے نیازی سے سر جھٹکتے وہ باہر کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
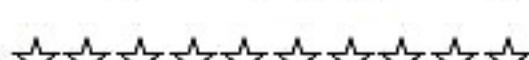
اس مال کی دھن میں پھرتے تھے

تاجر بھی بہت، رہزن بھی کئی

''چلیں۔'' حنہ کار میں آ کر بیٹھی تو فارس کال پہ کسی سے بات کر رہا تھا' سر ہلا کر فون رکھا۔

''ہم ایک جگہ سے ہو کر ریسٹورانٹ جائیں گے۔ گیس کرو کس نے کال کر کے ملنے کی خواہش ظاہر کی ہے؟'' اس کے الفاظ پہ حنہ چونکی تھی۔

جس وقت وہ دونوں ریسٹورانٹ کی طرف جاتی سڑک پہ گامزن تھے قصرِ کاردار کی چار دیواری کے ساتھ خاور محتاط نظروں سے دیوار کو دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ یہ دیوار کا وہ حصہ تھا جو فارس کی انیکسی کے عقب میں تھا۔ اس کے پیچھے سڑک تھی۔ آنکھیں سکیٹر کر دیکھتا' وہ ایک جگہ رکا۔ یہاں ایک لوہے کا دروازہ تھا۔ جو زمانوں سے بند پڑا تھا۔ اس پہ پرانا تالہ لگا تھا۔ اس جگہ گارڈز نہیں تھے' نہ کیمرے۔ خاور کچھ دیر متذبذب سا اسے دیکھتا رہا' پھر جھک کر تالے کو چھوا۔ لبوں پہ مسکراہٹ ابھری۔

تالہ پرانا تھا' اور زنگ آلود بھی۔ مگر... اس کے مقفل ہونے کی جگہ پہ زنگ نہیں تھا۔ جیسے تیل وغیرہ ڈال کر صاف کیا گیا ہو۔ چابی گھسانے والی جگہ کا زنگ بھی صاف تھا۔

(سو فارس غازی رات کو ادھر سے نکلتا تھا۔ گڈ' گڈ!) اس کے ہاتھ خزانہ لگ گیا تھا۔

فارس اور حنین ریسٹورانٹ میں داخل ہوئے تو ایک دم حنہ رکی۔ تعجب سے فارس کو دیکھا اور شکل یوں بنائی جیسے حلق تک کڑوا ہو گیا ہو۔ سامنے ایک کونے والی کرسی پہ تازہ دم اور خوبصورت' شہرین کاردار بیٹھی تھی۔ لبوں پہ سرخ لپ اسٹک اور سنہرے بالوں کی چھوٹی سی پونی۔ فارس کو دیکھ کر مسکرا کر کھڑی ہوئی۔ حنہ پہ نظر پڑی تو مسکراہٹ میں کمی آئی۔

''تو آپ پھپھو سے چھپ کر اس سے ملتے ہیں؟'' اس کی ددھیالی محبت پھر سے جاگی۔

''بکومت۔ اس نے پہلی دفعہ ملنے کا کہا ہے۔ کوئی کام تھا۔'' اسے گھرک کر وہ آگے آیا۔ اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔ حنین بھی (منہ بناتی) ساتھ بیٹھی۔

''مجھے نہیں معلوم تھا تمہاری بھانجی بھی تمہارے آفس جاتی ہے۔'' شہری کو حنہ کا آنا ناگوار گزرا تھا۔ حنین نے صرف ایک کاٹ دار نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''ہم ضروری کام سے جا رہے تھے' تمہارے فون پہ...'' فارس نے کلائی کی گھڑی دیکھی۔ ''پندرہ منٹ نکالے ہیں۔ اب بتاؤ' کیا بات تھی؟''

ایک لمحے کے لئے شیری کو سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے' پھر ہلکے سے شانے اچکائے۔

''میں سعدی کے کیس کا پوچھنا چاہتی تھی۔ میں نے سنا تھا کوئی مہنگی گن استعمال ہوئی ہے۔ سعدی کی شوٹنگ میں۔ اگر تم کہو تو...'' ہاتھ میز پہ باہم ملا کر رکھتی آگے ہوئی۔ ''تو میں پاپا سے کہہ کر اس گن کے لائسنز نکلوا سکتی ہوں' تا کہ...''

''میں یہ کام ڈھائی ماہ پہلے کر چکا ہوں۔جن لوگوں کے پاس وہ گن ہے'ان میں سے کوئی ایک بھی ہمارا دوست ہے نہ دشمن۔''

''تو پھر...وہ گن کس کی ہوگی؟''

''ظاہر ہے اس کا نام اور ریکارڈ لسٹ سے مٹا دیا ہوگا۔'' وہ سنجیدگی سے ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا کہہ رہا تھا۔

''کون سی گن تھی وہ؟''

''آپ کو گنز کے بارے میں کتنا پتا ہے شہرین؟'' حنین رہ نہیں سکی۔ شہری نے تنک کر اسے دیکھا۔پھر پرس سے ایک Cobilt (پستول) نکال کر میز پہ رکھی۔

''اگر آپ ہاشم کاردار کی بیوی ہوں اور شوٹنگ کلب کی ممبر بھی ہوں تو آپ کو گنز کے بارے میں بہت علم ہوتا ہے۔''

''مجھے معلوم ہے تمہارے'ہاشم اور شیرو کے پاس کون کون سی گن ہے۔'' ذرا اکتا کر اسے ٹوکا۔''مگر جو برانڈ ڈ گن استعمال ہوئی ہے'وہ ماڈل آگے پیچھے کسی کے پاس نہیں ہے۔گلاک جی فورٹی ون۔''

اور شہرین کا سانس اٹک سا گیا۔بمشکل آنکھوں کو اس پہ رکھے مسکرا پائی۔

''جی فورٹی ون؟ اچھا۔'' وہ رکی۔تاثرات پہ قابو پا لیا۔وہ گنز کی بات کرنے ہی نہیں آئی تھی۔وہ تو حنہ کو دیکھ کر بات بنانی پڑی۔اگر اس نے پہلے چیک کر لیا ہوتا کہ...اونہوں۔

''اگر کچھ اور نہیں ہے تو ہم جائیں؟'' وہ فون جیب میں ڈالتا کھڑا ہوا۔شہری نے جبری مسکرا کر سر کو خم دیا۔

حنہ بھی بے دلی سے اٹھی۔تبھی نگاہ سامنے دیوار پہ جا ٹھہری جہاں بڑی سی کیلی گرافی آویزاں تھی اور اس پہ خطاطی سے لکھا تھا۔

''وَ اَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحل''۔حنین کی آنکھیں سکڑیں۔صبح والی ٹی وی اسکرین یاد آئی۔مگر سر جھٹکا۔یہ صرف ایک اتفاق تھا۔فارس کے ساتھ وہ باہر نکلی تو ذہن بہت الجھا ہوا تھا۔

''خواہ مخواہ ٹائم ضائع کروایا اس پلاسٹک نے۔'' وہ سخت کوفت کا شکار لگ رہی تھی۔

فارس نے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھتے ہوئے اچنبھے سے اسے دیکھا۔

''پلاسٹک کیا؟''

''یہ شہرین...اس کا تعلق Plastics سے ہے۔آپ کو نہیں پتہ Plastics کا؟'' تعجب سے اسے دیکھا۔پھر ٹیک لگائے بتانے لگی۔

''یہ اپر مڈل کلاس اور ایلیٹ میں پائی جاتی ہیں۔بچپن سے ان کی ٹریننگ ہوتی ہے۔بھاری کتاب سر پہ رکھ کر سیدھا چلنے کی'ہونٹوں کو مخصوص زاویے پہ رکھنے کی۔جب بھی کھڑی ہوں گی' کہنیاں برابر اور ہاتھ تین انچ کے فاصلے پہ ہوں گے۔چہرے کو بالکل سپاٹ اور گردن کو اٹھا ہوا رکھتی ہیں۔وائٹ اور بیج کا ہر شیڈ ان کے پاس ہوتا ہے۔بے حد دبلی پتلی اور ڈائٹ کانشس ہوتی ہیں۔دراصل اینو ریکسک ہوتی ہیں۔فاقے کرتی ہیں۔کسی دن کچھ زیادہ کھا لیں تو حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دیتی ہیں۔اس شدید جسمانی مشقت کے

بعد ان کے چہرے پہ گویا خول سا چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ پلاسٹک پلاسٹک لگنے لگتی ہیں۔" وہ خبرنامہ پڑھنے کے انداز میں بتا رہی تھی۔

ڈرائیو کرتا فارس بے اختیار ہنس دیا۔

"اچھا..... ویسے تمہاری پھپھو کیا ہیں؟"

"وہ پلاسٹک تھوڑی ہیں۔ وہ نیچرل ہیں۔" ذرا قریب ہو کر آہستہ سے بولی۔ "مگر نیچرل سیسہ!"

"وہ بھی کھولتا ہوا۔" وہ بڑبڑایا اور پھر دونوں ہنس پڑے۔ وہ اب بہتر محسوس کر رہی تھی۔ ریسٹورانٹ قریب تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

مجھے شکوہ ہے مرے بھائی کہ تم جاتے ہوئے

لے گئے ساتھ مری عمرِ گزشتہ کی کتاب

احمر شفیع جب ریسٹورانٹ میں داخل ہوا تو دیکھا' سامنے ایک میز کے پیچھے وہ تینوں بیٹھے تھے۔ کسی انٹرویو پینل کے انداز میں۔ بار بار گھڑی دیکھتا' کان کی لو مسلتا فارس' گھنگریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتی منتظر سی زمر' اور انگلیاں مروڑتی گردن جھکائے بیٹھی حنین۔ احمر گہری سانس بھر کر رہ گیا۔

(چلو جی۔ سارا پاگل خاندان اکٹھا جمع ہے' احمر شفیع کی کلاس لینے۔ ان کو بے عزتی کرنے کے لئے کوئی اور نہیں ملتا؟) منہ بناتا آگے آیا' سلام کیا۔ جس کا کوئی جواب نہ ملا۔ پھر بھی مسکرا کر سامنے بیٹھا۔

"مجھے ہارون عبید کے ساتھ ایک گھنٹے میں چترال جانا ہے' اس لئے..."

"سعدی نے جج کو کس چیز سے بلیک میل کیا تھا۔" فارس نے اس کی بات سنی ہی نہیں۔ احمر نے گہری سانس بھری۔ (ہوگئی کلاس شروع!)

"مسز زمر کانوں پہ ہاتھ رکھ لیں تو میں بتانا شروع کروں؟" معصومیت سے پوچھا۔ زمر نے گھور کر اسے دیکھا۔ "میں سن رہی ہوں۔"

احمر نے تھوڑی کھجائی۔ "سعدی نے مجھے ایک بورڈ کے آفیسر کانفیڈینشل پریس (او سی پی) کے بارے میں بتایا تھا جو کہ ایک کرپٹ آدمی تھا' اور ہر سال پیپر لیک کیا کرتا تھا۔"

حنین یوسف کا سانس رک گیا۔

ذرا دیر کے لیے احمر اور ان تینوں کو یہیں چھوڑ کر ہم پچھلے سال کے جنوری میں واپس جاتے ہیں جب سعدی او سی پی صاحب کے گھر گیا تھا۔ وہ ایک گلٹ سے بھرا دل اور جھکے کندھے لے کر وہاں آیا تھا۔ آنٹی کے پاس ڈرائنگ روم میں سر جھکائے بیٹھے' اس نے بھاری ضمیر سے کہا تھا۔

"میں ان کی وفات کے اتنے عرصے بعد آ رہا ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہے ان کا۔" (یہ حنین کے بتانے کے ایک ماہ بعد کا ذکر ہے۔)

"کوئی بات نہیں جو تمہاری بہن نے کیا' وہی ہمارے لئے بہت ہے۔" اس نے چونک کر سر اٹھایا' مگر آنٹی بہت محبت اور سادگی سے کہہ رہی

تھیں۔ وہ وہی جانتی تھیں' جو حمنہ نے کیا۔ وہ نہیں جوان کے شوہر نے کیا۔ اور جس کا گلٹ ان کو لے کر ڈوبا۔ وہ چائے کے لئے اٹھیں تو سعدی نے سر ہاتھوں میں گرائے' بے اختیار دعا مانگی۔

''اللہ تعالیٰ' میں آپ کے سامنے اپنی بہن کی غلطی کو جسٹی فائی نہیں کروں گا۔ میں کوئی صفائی نہیں دوں گا۔ لیکن اس کی نیت ان کی جان لینے کی نہیں تھی۔ اللہ' آپ کو پتہ ہے کہ اس کو علم نہیں تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ پلیز میری مدد کریں' میں کسی طرح ان کی فیملی سے معافی مانگ سکوں' ایک ایماندار افسر کے ضمیر کی قیمت لگانے کے بوجھ سے دل کو آزاد کر سکوں۔ جو آپ پہ بھروسہ کرتے ہیں' آپ ان کو رسوا نہیں کرتے۔ پلیز مجھے اس بوجھ سے نکال لیں۔'' چہرے پہ ہاتھ پھیر کر وہ سیدھا ہوا۔ آنٹی چائے لا رہی تھیں۔

''انکل کی ڈیتھ ہارٹ اٹیک سے ہوئی تھی' کیا زیادہ پریشان رہتے تھے آخری دنوں میں؟'' وہ نظریں ملائے بنا پوچھ رہا تھا۔

''نہیں' ٹھیک تھے بالکل' بیٹی کی شادی ہو گئی تو مطمئن تھے۔ بلکہ خوش بھی تھے۔'' سعدی نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ دیوار پہ ان کی بیٹی کی شادی کے فوٹو شوٹ کی چند فریمز لگی تھیں۔ خوبصورت' جگر جگر کرتے لباس میں موجود تھیں' اور گھر کی عورتیں۔ قیمتی زیور۔ سعدی کی نگاہیں ڈرائنگ روم میں ادھر ادھر دوڑیں۔ قیمتی پردے' ڈیکوریشنز۔ اس نے سر جھٹکا۔

''آخری دن کیسے تھے؟ اس دن رزلٹ آیا تھا نا۔''

''بالکل ٹھیک تھے سعدی۔ نارمل باتیں کر رہے تھے اور بلکہ جسٹس صاحب سے بھی ٹھیک گپ شپ کرتے رہے۔ وہ تو ان کے جانے کے بعد کافی دیر سے میں ان کے کمرے میں گئی تو...'' سر نفی میں ہلا کر آنٹی نے آنکھ کا کنارہ صاف کیا' لیکن سعدی یوسف خان کا دماغ ایک جگہ اٹک چکا تھا۔

''کون جسٹس صاحب؟''

''ان کے بڑے اچھے دوست ہیں' جسٹس سکندر' سیشن کورٹ میں ہوتے ہیں، وہ ملنے آئے تھے تا حمیرا کے ابو سے۔ کمرے میں ان سے باتیں کرتے رہے' ہم لوگ باہر لاؤنج میں تھے۔ وہ نکلے تو بتایا کہ او سی پی صاحب ابھی کام کر رہے ہیں' کہہ رہے ہیں بچے شور نہ کریں۔ میری بڑی بیٹی کے دو بچے بھی آئے ہوئے تھے نا۔ ان کے جانے کے کافی دیر بعد' میں اور حمیرا اندر آئے تو دیکھا' وہ فوت ہو چکے تھے۔ استعفیٰ بھی لکھا پڑا تھا۔''

سعدی ایک دم آگے ہو کر بیٹھا۔ ''آپ نے... آپ نے ڈاکٹر کو بلایا تھا؟''

''ہاں' ڈاکٹر نے بتایا ہارٹ اٹیک سے موت ہوئی ہے۔''

''آپ نے پوسٹ مارٹم کروایا تھا؟''

''نہیں بیٹا' اس کی کیا ضرورت تھی۔ میرے بیٹے نے کہا بھی تو ان کے دوستوں' رشتے داروں نے منع کیا کہ لاش کی بے حرمتی ہوتی ہے ایسے۔''

''جی! بالکل میں تو یونہی پوچھ رہا تھا۔'' جبراً مسکرایا۔ بے چینی سے پہلو بدلا۔ (یعنی بیٹے کو معلوم ہو گیا تھا؟)

''ان کا کمرہ دیکھ سکتا ہوں میں؟ ان کا کمپیوٹر وغیرہ؟''

''بیٹا کمپیوٹر اور فائلز تو محکمے والے اٹھا کر لے گئے تھے۔ کمرہ دیکھ لو تم۔ اپنے گھر کے بچے ہو۔ صفائی وغیرہ کرتی ہوں' مگر ان کی باقی چیزیں نہیں چھیڑتی۔''

وہ اسے ایک کمرے میں لے آئیں۔ وہ بیڈروم چھوٹا مگر پرتعیش تھا۔ گھر کافی دفعہ رینوویٹ ہوا لگتا تھا۔ سعدی کے جھکے کندھے اٹھ چکے تھے اور بھاری دل ہلکا ہو رہا تھا۔ وہ ان کی کتابیں دیکھتا رہا۔ آگے پیچھے۔ کوئی کاغذ' کوئی فائل نہیں چھوڑی تھی ''محکمے والوں'' نے۔ دفعتاً وہ رکا۔ اسٹڈی ٹیبل کے وسط میں کپ رکھا تھا۔ اس میں چند پین تھے۔ ایک پین مختلف تھا۔ سعدی نے وہ سلور پین اٹھایا اور ڈھکن کھولا۔ اندر یو ایس بی پلگ تھا۔ اس نے جلدی سے ڈھکن بند کیا۔ پھر آنٹی کی طرف مڑا۔

''مجھے انکل سے بہت عقیدت تھی' اگر آپ کو برا نہ لگے تو ان کا ایک قلم رکھ لوں؟ میرے دل کا بوجھ ہلکا ہوتا رہے گا۔''

اور آنٹی نے کھلے دل سے اجازت دے دی۔ وہ ان سے چارجر نہیں مانگ سکتا تھا' لیکن کوئی بات نہیں' چارجر کہیں سے خرید لے گا۔

انسانی عقل مہینوں، سالوں لگی رہتی ہے، کسی ایک کلیو کی تلاش میں، جیسے سعدی لگا تھا، اتنے دن سے جج کے کمپیوٹر میں کوئی ایک کام کی چیز تلاش کر رہا تھا، مگر جب عقل تھک جاتی ہے، تو ایک دم سے سب سے قیمتی چیز انسان کی جھولی میں پکے پھل کی طرح گرا دی جاتی ہے۔ آگ لینے کے لیے جانے والوں کو پیغمبری مل جاتی ہے۔ وہ لمحہ، الہام کا لمحہ ہوتا ہے..... کچھ لوگ اسے ''اتفاق'' کہتے ہیں۔ ایمان والے اسے ''مدد'' کہتے ہیں۔۔۔

اور آج احمر شفیع زمر اور فارس کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ''سعدی ان کی تعزیت کے لئے ان کے گھر گیا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک گلٹی احساس لئے ادھر گیا تھا' ان کی فیملی کو وہ پہلے سے جانتا تھا۔'' احمر سانس لینے کو رکا۔ ان کو متوجہ پا کر مسکرایا۔ ''ویسے میری کنسلٹنسی فیس...''

''کام کی بات پہ آؤ!'' فارس ایک دم برہمی سے کہتا آگے ہوا تو وہ ہاتھ اٹھاتے جلدی سے ذرا پیچھے ہوا۔ ''بتا رہا ہوں' بتا رہا ہوں۔'' گہری سانس لی۔ ''ان کی چیزوں میں سعدی کو ایک پین کیمرہ ملا۔'' (زمر نے بے اختیار آنکھیں بند کیں۔ اُف۔) ''اس پین کے ذریعے اوسی پی صاحب جج کی ویڈیوز بناتے تھے۔ وہ کانفیڈینشل پریس کے آدمی تھے۔ ان کے پاس بہترین gadgets تھے۔ وہ پین چھوٹا سا تھا' اس میں جیمر لگا تھا' جو اس کو ڈیٹیکٹرز کے باوجود نا قابلِ گرفت بناتا تھا۔ بہرحال اس پین میں کچھ ویڈیوز تھیں۔ کالے دھندوں کے اعتراف کی ویڈیوز۔ سعدی نے تمہارے رہا ہونے کے بعد وہ تمام ویڈیوز مٹا دیں' سوائے ایک کے۔ اس ویڈیو میں جج اور اوسی پی کی آخری ملاقات تھی' اور وہ ایک terrible ویڈیو تھی۔ اوسی پی نے صرف یہ سوچ کر کیمرہ آن رکھا تھا کہ جج کی دھمکیوں کو ریکارڈ کرے گا، اس لیے اس نے استعفیٰ بھی آرام سے لکھ دیا۔ مگر.....'' اس نے جھرجھری لی۔ ''اس ویڈیو کی وجہ سے جج نے غازی کو رہا کیا۔''

''اب وہ پین کہاں ہے؟'' فارس کے سوال پہ احمر نے شانے اچکائے۔ زمر جلدی سے بولی۔ ''میں سعدی کی چیزیں دوبارہ دیکھوں گی' مل

جائے گا!" ذرا رکی۔ "لیکن اگر جج کے طاقتور مجرم دوست ہیں تو اس نے فارس کو رہا کرنے کی بجائے ان دوستوں سے مدد کیوں نہیں مانگی۔"

"مسز زمر! آپ وہ ویڈیو دیکھیں گی تو جان لیں گی کہ کوئی بھی اپنے ساتھی مجرموں کو ایسی چیز کی ہوا نہیں لگنے دے سکتا۔ وہ اس کی مدد کرتے لیکن پھر اس کی کمزوری کے ذریعے اس کو غلام بنا لیتے۔ غازی کو رہا کرنا زیادہ آسان تھا۔"

"تو اوسی پی صاحب نے خودکشی کیوں کی تھی؟" حنین انہی گیلی شاکی نظروں سے احمر کو دیکھ کر بولی تو احمر نے اسے دیکھا، پھر فارس کو۔ پھر شانے اچکائے۔ "اس ویڈیو اور سعدی کے مطابق اوسی پی صاحب کو قتل کیا گیا تھا۔ ان دونوں کا آپس میں لین دین کا کوئی تنازعہ تھا۔"

"سعدی نے آپ کو خود یہ بتایا؟" حنین کی آواز غصے سے بلند ہوئی۔ احمر نے سنبھل کر "جی۔" میں سر ہلایا۔

حنین نے گلے بھری نظر زمر پہ ڈالی۔ احمر کی طرف اشارہ کیا۔ "یہ کون ہیں؟ ان کو کیوں بتایا؟ میں بہن تھی۔ مجھے کیوں نہیں بتایا؟" ایک دم سے سچویشن آکورڈ ہو گئی تھی۔ فارس احمر کو اشارہ کرتا اٹھ گیا۔ وہ دونوں چلے گئے تو حنین نے آنسو ہاتھ کی پشت سے رگڑے۔ "بھائی کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں سمجھتی رہی میں نے ان کی جان لی ہے۔ میں نے ان کی جان نہیں لی تھی۔"

"حنین یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کیونکہ ہمیں سعدی نے کچھ نہیں بتایا۔ رہی اوسی پی کی بات، تو میں نے تمہیں کہا تھا نا، ان کے لیے پیپرز دینا آسان تھا کیونکہ وہ یہ کام پہلی دفعہ نہیں کر رہے تھے۔"

"مگر جب میں نے ان سے کہا تو ان کے تاثرات..... وہ بالکل ٹوٹ کر رہ گئے تھے۔"

"کیونکہ حنہ جس چیز کو وہ اتنے سال پیسوں کے بدلے بیچتے آئے تھے، پہلی دفعہ وہ انہیں اپنے خاندان کی عزت کے بدلے بیچنی پڑی۔ یہ جھٹکا کسی کو بھی ہلا سکتا ہے۔"

حنین نے اثبات میں سر ہلایا، اور آنسو گرے۔ "میں نے ان کی جان نہیں لی۔ لیکن میں پھر بھی قصوروار ہوں۔ بلیک میل اور چیٹنگ کی۔"

"حنین دنیا میں تمہارے آس پاس کوئی ایسا انسان نہیں ہے جس سے کبھی کوئی گناہ نہ ہوا ہو۔ فرق اس بات سے پڑتا ہے کہ گناہ کے بعد تم کیا کرتی ہو۔"

"میں نے توبہ کی تھی، سچے دل سے۔"

"توبہ یہ نہیں ہوتی کہ اس گناہ کا ڈپریشن لے کر ہر شے تیاگ کر بیٹھ جاؤ۔ توبہ مایوسی اور خود اذیتی کا نام نہیں ہے۔"

"تو پھر کیسے کی جاتی ہے توبہ؟" وہ ہلکا سا بولی۔

"توبۃ النصوح کا مطلب ہے..... انسان کو احساسِ گناہ ہو، پھر ندامتِ گناہ ہو، پھر معافی مانگے اور اگر کوئی کفارہ ہے تو وہ ادا کرے۔ پھر دوبارہ وہ کام نہ کرنے کا عہد کرے، اور پھر اچھے کام کرے۔ توبہ مثبت سوچ کا نام ہے۔ فریش اسٹارٹ لینے کا۔ نئی زندگی کے آغاز کا۔"

"اور پھر سب معاف ہو جاتا ہے؟"

''ہاں سب معاف ہو جاتا ہے۔مگر ہر گناہ سے بڑا گناہ پتہ ہے کیا ہے؟ اپنے گناہوں کو جسٹی فائی کرنا۔''

حنین نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔اسے بے اختیار اپنی کتاب اور شیخ یاد آ رہے تھے

''ہاشم سے یوں بات کرنا' ایگزام سے بڑی چیٹنگ ہے۔یہ سعدی اور فارس کے ساتھ چیٹنگ ہے۔''اس کا فون بجنے لگا تو گفتگو ختم ہو گئی۔

حنین اٹھ کھڑی ہوئی۔زمر نے موبائل اٹھاتے ہوئے اسے پکارا۔

''مجھے وہ پین مل گیا ہے حنین۔''۔حنہ نے چونک کر اسے دیکھا۔''مگر اس کی بیٹری ختم ہے۔اس کا چارجر ڈھونڈ دو مجھے' اور ہم اس کو کھول لیں گے۔ابھی فارس یا احمر کو نہیں بتانا۔مجھے کسی پہ اعتبار نہیں ہے۔''

اس کو وہیں چھوڑ کر زمر گل خان کی تلاش میں نکل آئی۔

جو تجھ سے عہدِ وفا استوار رکھتے ہیں!

چند منٹ بعد وہ اس زیرِ تعمیر مکان میں کھڑی تھی۔ وہ اب تعمیر کے آخری مرحلے میں تھا۔دروازے لگ چکے تھے۔سیمنٹ ہو چکا تھا۔ ایسے میں اس کی چھت پہ بنے ایک کمرے (جو تین ماہ پہلے کھلا میدان تھا' اور جہاں سارہ چھپی تھی۔) گل خان ساتھ کھڑا مایوسی سے ادھر ادھر زمین پہ ہاتھ مار رہا تھا۔پھر ہاتھ جھاڑتے اٹھا۔

''وہ موتی ادھر ہی چپکے تھے باجی۔بعد میں فرش برابر ہوا تو گم ہو گئے۔''

''کس کے موتی؟ اور تم نے مجھے ابھی تک نہیں بتایا کہ سعدی کا کی چین تمہیں کہاں سے ملا؟''وہ دونوں اب گھر کی سیڑھیاں اتر رہے تھے۔

''باجی' ہمارا تایا ادھر مزدوری کرتا ہے' اسے سعدی بھائی نے یہاں نوکری دلوا کر دیا تھا۔بھائی کو گولی لگنے کے تیسرے یا چوتھے دن اس گھر کا ٹھیکیدار ہمارے گھر آیا' تایے کو بولا کہ کسی عورت کا پرس ادھر گرا ہے' اس گھر میں' کس نے اٹھایا ہے؟ تایے نے بولا ہم ڈھونڈ دے گا۔وہ ٹھیکیدار چلا گیا۔مگر باجی یہ جو گل خان ہے نا' اس کا کھوپڑی بہت چلتا ہے۔''وہ اب مرچ مسالہ لگا کر پورے ایکشن کے ساتھ کہانی بیان کر رہا تھا۔''ام کو تایے پہ شک ہو گیا۔بس پھر کیا تھا۔ام نے تایے کا جاسوسی کیا۔تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ الماری سے ایک گلابی رنگ کا بٹوہ نکال کر دیکھ رہا ہے۔اس کو یہ ادھر چھت پہ پڑا ملا تھا۔اس کا دو موتی ٹوٹا ہوا تھا اور سیمنٹ میں چپکا تھا۔تایے نے پرس اٹھا کر اس جگہ بجری ڈال دی۔ یہ سارا بات اس نے اگلے دن ٹھیکیدار کو بتایا۔ٹھیکیدار بہت دیندار آدمی ہے' پانچ وقت کی نماز پڑھتا ہے' اور صرف دو ٹائم ہیروئن بیچتا ہے' مگر اس نے کہا کہ بٹوہ عورت کو واپس کرنا ہے۔تو تایے نے اس میں سے تھوڑے سے پیسے نکال کر الگ کیے اور بٹوہ الگ رکھا۔بس ادھر تایا سویا' ادھر گل خان نے الماری پہ چھاپا مارا۔''

وہ تحمل سے سنتی ہوئی چلتی جا رہی تھی۔

''مگر اندر کیا دیکھتا ہے' کہ ایک ہیرے کی انگوٹھی ہے۔یہ جگر جگر چمکتی۔اور بھی پیسے ہیں۔ایک دو انگریزی کے کارڈ بھی تھے۔اور باجی...اس میں سعدی بھائی کا چابی بھی تھا۔''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''پھر؟''

''پھر ہم نے چابی اٹھالیا۔ دیکھو باجی، ہم بھائی کا بہت وفادار ہے۔ ہم نے اسے حفاظت سے رکھا۔ پھر ہم پشور چلا گیا۔ واپس آیا تو...''

''تو اتنے دن مجھے کیوں نہیں دیا؟''

گل خان کی اس بات پہ سٹی گم ہوگئی۔ ''وہ... باجی.. تمہارا بندہ ہر وقت آگے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔ ام کو اس سے ڈر لگتا ہے۔'' سر کھجایا۔ مگر اس نے دھیان نہیں دیا۔ واپس مڑی۔

''مجھے اس ٹھیکیدار سے ملواؤ۔ فکر نہ کرو، میں کسی چینی کا نہیں بتاؤں گی۔''

ٹھیکیدار کا منہ کھلوانے میں پانچ منٹ بھی نہیں لگے تھے، وہ فرفر بتانے لگا۔

''ایک عورت تھی۔ اس نے چادر کر رکھی تھی۔ چہرہ بھی ڈھک رکھا تھا۔ وہ میرے پاس آئی اور اپنے پرس کا پوچھا۔ اس نے کہا کہ وہ ایک وکیل ہے اور یہاں اس قتل کیس کے سلسلے میں آتی جاتی رہتی ہے، اس لئے پرس کھو بیٹھی۔ میں نے ایک دو روز میں پرس ڈھونڈ کر دے دیا۔ وہ دوبارہ اسی گھر میں ملنے آئی تھی۔ اس نے پیسے بھی دیے مجھے مگر وہ خوش نہیں تھی۔ بار بار چابیوں کے گچھے کا پوچھتی تھی۔''

''کوئی اور بات جو اس کے بارے میں یاد ہو؟''

وہ سوچنے لگا۔ پھر نفی میں سر ہلایا۔ ''نہیں میڈم جی۔ دبلی پتلی تھی، لڑکی سی لگتی تھی۔ ہاں رنگ گورا تھا اور آنکھیں ہلکے رنگ کی تھیں۔ نیلی سبز سرمئی۔''

''اگر وہ کبھی دوبارہ آئے تو آپ اس نمبر پہ مجھے بتائیں گے۔'' ایک کارڈ اسے پکڑاتے ہوئے اس نے تاکید کی تھی۔ جب وہ واپس آئی تو سوچ میں گم تھی۔ ریسٹورانٹ میں داخل ہوئی اور سیدھی اوپر چڑھتی گئی۔

نیچے ریسٹورانٹ میں اِکا دکا لوگ تھے۔ حنین کونے والی میز پہ آ بیٹھی اور ہتھیلی پہ چہرہ گرایا۔

(میں توبہ کر چکی ہوں، معافی مانگ چکی ہوں، مگر ہاشم کو کیسے چھوڑوں؟ نہیں انہوں نے بھائی کو کچھ نہیں بتایا، مگر مجھے پھر اتنا شک کیوں ہے؟)

سر جھٹک کر حنین نے سیل فون نکالا، اور پھر دوپٹہ سر پہ لیتے ہوئے آن لائن قرآن ڈاؤن لوڈ کیا۔ کتنے عرصے سے اس نے قرآن نہیں پڑھا تھا۔ اس کو وہ ایسے سمجھ نہیں آتا تھا جیسے سعدی بھائی کو آتا تھا۔ حالانکہ سعدی اور سیم نارمل ذہانت کے لوگ تھے، جینئس تو وہی تھی، تو ساری مات جینئس لوگ کیوں کھاتے ہیں؟

قرآن کھلا تو وہ بے دلی سے انگوٹھے سے اسکرین اوپر کرتی گئی۔ کرتی گئی۔ صفحات اوپر نکلتے گئے۔ بالآخر ایک جگہ وہ رکی۔ آنکھیں بند کیں۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اب جو بھی وہ آیت پڑھے گی، اس پہ عمل کرے گی، چاہے وہ یہ کیوں نہ کہے کہ عورتوں کو چھپے دوست نہیں بنانے چاہئیں یا پردہ کرنا چاہیے یا نگاہوں کی حفاظت کرنی چاہیے۔

آنکھیں کھولیں اور اسکرین کو دیکھا۔

**"اور اللہ ہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تاکہ زمین کو اس کی موت کے بعد اس سے زندہ کر دے۔بے شک اس میں ایک نشانی ہے اور ان لوگوں کے لئے جو غور سے سنتے ہیں۔"**

(ہوں۔بارش کا ذکر ہو رہا ہے یہاں۔گڈ۔آگے چلو) اس نے اگلی آیت پہ نظریں مرکوز کیں۔

"اور تمہارے لئے بے شک چوپائے مویشیوں میں ایک نشانی ہے۔ہم تمہیں پلاتے ہیں ان کے پیٹوں سے 'خون اور گوشت کے درمیان سے خالص دودھ' جو خوشگوار ہے پینے والوں کے لئے۔"

(مطلب کہ...؟ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ وہ خون اور گندگی کو دودھ سے ملنے نہیں دیتا' یوں ہم خالص دودھ پی لیتے ہیں؟ ٹھیک ٹھیک!)

"اور پھلوں میں کھجور اور انگور۔تم ان سے بناتے ہو نشہ آور چیزیں اور اچھا رزق۔بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو عقل رکھتی ہے۔"

(مطلب کہ...اونہوں۔شراب کا میں نے کیا کرنا ہے؟ آگے چلو۔)

"اور تمہارے رب نے وحی کی شہد کی مکھی کی طرف کہ بنا لے اپنا گھر پہاڑوں میں اور درختوں کے اوپر' اور اونچی چھتوں پہ۔پھر کھا تمام پھولوں میں سے اور چل اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے نکلتا ہے ایک مشروب' مختلف سے ہیں جس کے رنگ' شفا ہے جس میں لوگوں کے لئے' بے شک اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔"

حنین نے ایک دم موبائل الٹا رکھ دیا۔یہ تو وہی آیت تھی جو وہ آج تیسری بار...؟ کوئی سنسنی خیز لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ گئی تھی گردن پہ ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔ایسے لگا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہے۔

(بس' مجھے نہیں پڑھنا قرآن' نہ شیخ کی کتاب۔یہ سب چیزیں ڈراتی ہیں۔) جھرجھری لے کر اٹھی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔بہت دن بعد اس کا دل تھا کہ وہ کچھ کھائے' کچھ اچھا' اتنا اچھا کہ سب بھول جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آ کے لے جاؤ تم اپنا یہ دمکتا ہوا پھول

مجھ کو لوٹا دو مری عمر گزشتہ کی کتاب

حنین نے اگلے تین چار روز خود کو کھانے' ٹی وی' کمپیوٹر گیمز اور ہاشم میں مصروف کر لیا' مگر بے سکونی بڑھ گئی تھی۔نہ ان چیزوں میں دلچسپی رہی تھی' نہ ہاشم پہ اعتبار رہا تھا زمر کے پاس بھی نہیں گئی نہ دل لگا کر پین کیمرہ کا چارجر ڈھونڈا۔زمر نے بھی اس سے دوبارہ بات نہیں کی۔ چھ ستمبر والے روز حنین نے ہتھیار ڈال دیے' اور امی کا قرآن کا نسخہ اٹھائے' کاپی پین لیے فوڈلی ایور آفٹر ریسٹورانٹ کے اوپری کمرے میں آ بیٹھی جہاں آج زمر نہیں تھی۔

اب حنین نے وہ آیتِ نحل ایک بڑے کاغذ پہ لکھی اور سر پہ دوپٹہ لیے' ہاتھ میں قلم پکڑے...اس پہ غور کرنے لگی۔آن لائن تفسیر بھی

پڑھی۔شہد کی افادیت، شہد سے شفا۔ایک دم وہ چونکی۔شیخ کے بیمار سے اس کو اپنا خیال آتا تھا۔تو کیا اس کے مرضِ عشق کی شفا بھی شہد میں تھی؟ کیا اس بات کی کوئی سینس بنتی تھی؟

کچھ سوچ کر جنید کو پکارا جو کسی مہمان کو اٹینڈ کر رہا تھا۔

''سنو جنید بھائی۔'' وہ آیا تو وہیں کھڑے کھڑے پوچھنے لگی۔''یہاں آگے پیچھے کوئی ایسی جگہ ہے جہاں سے خالص، بالکل خالص شہد مل سکے؟''

جنید نے اچنبھے سے اسے دیکھا۔''مجھے نہیں پتہ۔'' جانے لگا، پھر دوبارہ عجیب انداز میں اسے دیکھا۔''ایک دفعہ سعدی بھائی نے بھی مجھ سے یہی پوچھا تھا۔''

''کیوں؟'' وہ چونکی۔

''پتہ نہیں۔'' وہ خود عجیب سے اچنبھے کا شکار، واپس لوٹ آئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر آئے دن یہ خداوندگانِ مہر و جمال

لہو میں غرق مرے غمکدے میں آتے ہیں

ان سب سے دور، سمندر پار.... سعدی یوسف اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔اب کے وہاں کونے میں ایک اسٹڈی ٹیبل نظر آتی تھی جس پہ صاف جرنل رکھا تھا اور وہ پین سے اس پہ بے خیالی میں تکونیں بنا رہا تھا۔آج نئی میرون شرٹ پہن رکھی تھی۔اس کے علاوہ کوئی خاص تبدیلی نظر نہ آتی تھی۔

دروازے کا لاک کھلنے کی آواز آئی، اس نے سر اٹھایا۔دو گارڈز اندر داخل ہوئے اور اسے چلنے کا اشارہ کیا۔

وہ اٹھا اور ان کے ہمراہ پہلی دفعہ اس کمرے سے باہر آیا۔

باہر کوئی لاونج، ڈرائنگ روم ٹائپ کچھ نہ تھا، جیسا کہ اس کا گمان تھا۔بلکہ ایک قدرے کھلا کمرہ تھا، جس میں ٹی وی لگا تھا۔کونے میں چند کرسیاں رکھی تھیں۔وسط میں چھوٹی میز اور اس کے گرد دو کرسیاں۔ایک کرسی پہ وہ شخص زیگنا کے گرے سوٹ میں ملبوس، قیمتی پرفیوم کی مہک میں بسا، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھا تھا۔اس کو دیکھ کر سعدی کا سارا خون سمٹ کر آنکھوں میں آ گیا، مگر نہ وہ کچھ بولا، نہ آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑنے کی کوشش کی، بس شرربار نظروں سے اسے دیکھتا، میز کی دوسری طرف بچھی کرسی پہ آ بیٹھا۔

کمرے میں، سعدی کے پیچھے دو گارڈز تھے، تین گارڈز دروازوں پہ تھے۔کچن کی چوکھٹ پہ مودب سی میری کھڑی تھی۔

''ہیلو اگین سعدی!''

وہ چپ رہا۔صرف اسے چبھتی نظروں سے گھورتا رہا۔ہاشم کاردار نے گہری سانس لی۔

''یو آر ویلکم!'' طنز کیا۔

سعدی کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ آٹھہری۔ ''تمہیں لگتا ہے کہ اپنی جان بچانے پہ میں تمہارا شکریہ ادا کروں گا؟ اونہوں!'' مسکراہٹ سمٹ کر صرف تپش رہ گئی تھی۔ ''پچھلے تین ماہ سے میں اگر کسی کے جسم میں تین گولیاں اتارنا چاہتا ہوں' کندھے' پیٹ' اور ٹانگ میں تو وہ نوشیرواں ہے' نفرت ہو گئی ہے مجھے تمہارے بھائی سے۔ لیکن اس کے باوجود... سچ یہ ہے کہ نوشیرواں مجھے قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ بہترین نشانہ باز تھا' ذرا سی کوکین کے باوجود اس کا نشانہ خطا نہیں ہونا چاہیے تھا' وہ مجھے سر میں گولی مار سکتا تھا' سینے میں بھی مار سکتا تھا' مگر اس کو خود بھی علم نہیں کہ وہ مجھے گولیاں صرف اس لئے مار رہا تھا تاکہ مجھے نیچے گرا کر اپنے بوٹ سے مار سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کی گولیوں سے میں مر سکتا تھا اور میں اس کے لئے اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' ذرا ٹھہرا۔ ''لیکن اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ تم نے مجھے بچایا ہے' تو خود کو آئینے میں دیکھو۔'' نفرت سے اسے دیکھتا ہو کہہ رہا تھا۔ ''کیونکہ تم اپنے بھائی سے کہیں زیادہ sick ہو۔ جو الفاظ تم نے میری بہن کے بارے میں کہے' سچ کہوں تو تم سے امید نہیں تھی اس گھٹیا پن کی' لیکن پھر سوچا جو قتل کر سکتا ہے وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ ایک دفعہ پھر کہوں گا' میری غیرت کو للکارنے سے پہلے آئینے میں دیکھنا' کیونکہ یہ الفاظ اس شخص کے منہ سے مضحکہ خیز لگتے ہیں' جو نہ اپنی بہن کی حفاظت کر سکا' یہاں تک کہ وہ جیل چلی گئی' نہ اپنی سابقہ بیوی... خیر...'' سر جھٹکا۔ ''میں تمہارے لیول پہ گر کر تمہارے والی زبان استعمال نہیں کر سکتا۔'' حالانکہ اس نے یہ فقرے تیار کر رکھے تھے، ہر مرد کی طرح اس کو بھی غصہ تھا، لیکن بولنے کا وقت آیا تو اسے پتہ تھا وہ ایسی باتیں نہیں کر سکتا۔

ہاشم کاردار' انگلی اور انگوٹھے کے درمیان رخسار رکھے' ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بیٹھا سنتا رہا۔ ''تمہاری تقریریں مجھے پسند ہیں' مگر ان کو مجھ پہ ضائع مت کیا کرو۔ اگر تم کہہ چکے تو اب سنو!'' سعدی پہ جمی اس کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی۔ ''تم میرے آفس آئے' تم نے میرے خاندان کو دھمکایا' تم نے میرے بھائی کو گالی دی...''

'' مجھے ان دو الفاظ پہ افسوس تھا' مگر کیا وہ اتنے بڑے تھے کہ تمہارا آدھے مرد جتنا بھائی مجھے گولیاں مار دے؟ عزت' غیرت صرف تم لوگوں کی ہے؟ ہمارے سامنے ہماری عورتوں کی بات کرو اور ہم چپ چاپ سن لیں؟۔''

''میری بات دوبارہ مت کاٹنا!'' ہاشم نے انگلی اٹھا کر اس کو تنبیہہ کی۔ ''تم نے میرے بھائی کو گالی دی' اس نے اپنا انتقام لیا۔ اس کے بعد بھی میں نے تم پہ رحم کھایا' اور تمہیں بچا لیا۔ میں تمہیں یہاں لے آیا' تمہارے اوپر اتنا خرچہ کیا' اس کے بعد تم مجھے کال کر کے ایک لسٹ تھماتے ہو، کہ تمہیں یہ، یہ چیز چاہیے۔'' استہزائیہ مسکرا کر سر جھٹکا۔ ''جیسے تم یہاں پکنک پہ ہو!''

''کیا تم اتنی دور مجھے انکار کرنے آئے ہو؟''

''اونہوں۔ میں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تمہیں تھوڑی بہت سہولتیں مل سکتی ہیں' اور تمہاری فیملی کو تحفظ' مخصوصاً تمہاری بہن کو' اگر تم...''

''میری بہن کا دوبارہ نام مت لینا!'' اس کی آنکھیں سرخ ہوئیں' بلند آواز سے غرایا۔ مگر وہ کہہ رہا تھا۔

''اگر تم مجھے وہ دو' جو میں چاہتا ہوں۔'' کہتے ساتھ ایک فولڈر اس کے سامنے رکھا۔ سعدی نے شرربار نظروں سے اسے گھورتے فولڈر پہ

آنکھیں جھکائیں۔ پہلے صفحے کے چند الفاظ پڑھے۔ پھر اس کے ابرو تعجب سے سکڑے۔ اس نے کاغذ اٹھا کر دیکھے۔

''تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں بتاؤں، کہ جس کوئلے پہ ہم کام کر رہے ہیں، اس کی بی ٹی یو ویلیو کیا ہے؟'' ناگواری سے ہاشم کو دیکھا۔ (یہ کوئلے کی heating values ہوتی ہے۔) ''ہمارے کوئلے کی density, porosity ۔۔۔ اس کا moisture content ۔۔۔ یہ باتیں تم مجھ سے پوچھ رہے ہو؟ یہ کانفیڈینشل معلومات ہیں، میں یہ نہیں دے سکتا۔''

''اس کے علاوہ بھی کچھ پوچھا ہے میں نے۔'' ہاشم نے اسی سکون سے کاغذ کی طرف اشارہ کیا۔ سعدی نے برہمی سے اسے دیکھا۔

''ہماری experimental demonstration، ہمارے سارے لیب ورک کا ڈیٹا، تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں یہ سب بتاؤں، کہ کیسے ہم اپنے پروجیکٹ کو scale up کریں گے؟ ہاشم کاردار، ہم نے راتوں کو جاگ جاگ کر تھر کے اس بیاباں میں کام کیا ہے، جس دن ہم نے پہلی دفعہ گیس بنا کر شعلہ جلایا تھا، اس دن اس پراجیکٹ کے ہر سائنسدان، ہر انجینئر اور ہر مزدور کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ تم آئل کمپنیز نے اس ملک کی بجلی کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔ ہم تم جیسے IPPs کی تیل کی سیاست سے اس ملک کو نکالنا چاہتے ہیں، اور تم سمجھتے ہو کہ سعدی یوسف اتنا بے غیرت اور بے ضمیر ہے کہ وہ اتنی بڑی امانت ایک آئی پی پی کے مالک کے حوالے کر دے گا؟'' پھر پیچھے ہو کر بیٹھا۔

''ہم جو بھی کرتے ہیں، قانون کے مطابق کرتے ہیں۔''

''ہا!'' سعدی نے سر جھٹکا۔ ''میں بتاتا ہوں کہ تم کیا کرتے ہو۔ ادھر آؤ میری، میں تمہیں سمجھاتا ہوں۔'' اسے اشارہ کیا۔ وہ متذبذب سی چلی آئی۔

''میں تمہیں سادہ زبان میں سمجھاتا ہوں، مشکل اصطلاحات استعمال کر کے اپنی معلومات کا رعب نہیں جھاڑوں گا۔ تمہیں پتہ ہے میری آئی پی پی کون ہوتے ہیں؟ .Independant Power Producers ۔ یہ پرائیوٹ اور خودمختار ادارے ہیں۔ تمہارے مالک بھی ایسی ہی ایک کمپنی کو چلا رہے ہیں۔ یہ لوگ فرنیس آئل سے بجلی بنا کر حکومت کو بیچتے ہیں۔ بدلے میں جب لوگ بل ادا کرتے ہیں تو اس بل سے یہ مزید تیل خرید کر مزید بجلی بناتے ہیں۔ یہ سائیکل چلتا رہتا ہے۔ لیکن ماشاءاللہ میرے ملک پاکستان میں امیر لوگ بجلی کے بل ادا نہیں کرتے۔ یوں سمجھو کہ پندرہ ٹکڑے چاہیے ہیں بجلی کے ملک کو، لیکن بل تیرہ کا ادا ہوا ہے، تو اگلی دفعہ آئی پی پی تیرہ ٹکڑے بجلی بنائے گی۔ یوں چند گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ ہو جائے گی۔ مگر پھر ہوا یوں کہ نوے کی دہائی میں ہماری حکومت نے ان آئی پی پیز کے ساتھ معاہدے کیے، جہاں بہت سی کمپنیز یوں سمجھو کہ دو روپے کی بجلی بنا کر حکومت کو چار روپے میں بیچنا چاہ رہی تھیں، وہاں حکومت نے ان آئی پی پیز کے ساتھ معاہدہ کیا جو دو روپے کی بجلی حکومت کو بیس روپے میں بیچتی ہیں۔ کیونکہ اس بیس روپے کا تین پرسینٹ اس شخص کی جیب میں جانا تھا جس کو ہم مسٹر تین پرسینٹ کہتے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ قانونی بات سنو، میری اینجیو۔ حکومت نے ان کے ساتھ یہ معاہدہ کیا ہے کہ چاہے یہ ایک ٹکڑا بجلی بنائیں، چاہیں پندرہ ٹکڑے، حکومت ان کو انہی پندرہ ٹکڑوں کی بجلی کے پیسے دیتی رہے گی۔ اب یہ قانونی لوگ ہر سال دس، یا

آٹھ ٹکڑے بجلی بناتے ہیں، ان کا کیا جاتا ہے۔ جن دنوں زیادہ لوڈشیڈنگ ہو رہی ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہاشم کاردار جیسے لوگوں کا موڈ نہیں ہے زیادہ تیل خریدنے کا، اس لیے یہ کم بجلی بنائیں گے۔ یہ ہوتا ہے شارٹ فال۔ یہ ہے وہ لائن لاسز، لائن لاسز کی گردان کی حقیقت۔ پاکستان میں کوئی لوڈشیڈنگ نہیں ہے، کوئی بجلی کا بحران نہیں ہے، یہ صرف آئی پی پیز ہیں، جب ان کو پندرہ ٹکڑوں کے پیسے مل رہے ہیں تو یہ بھلے ایک ٹکڑا بھی بنائیں، ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔" بول بول کر وہ سانس لینے کو رکا۔ ہاشم نے اشارہ کیا تو میری واپس مڑ گئی۔

"اب تم ہمارے پراجیکٹ کی معلومات چاہتے ہو تا کہ اس کو لیک کر کے پراجیکٹ کو سبوتاژ کر سکو؟ پہلے تمہاری آئل لابی کی وجہ سے تھرکول کو حکومت پیسے نہیں دیتی۔ مزید کتنا نقصان دو گے تم لوگ اس ملک کو؟ تمہیں رات کو نیند کیسے آ جاتی ہے؟" دکھ، صدمے اور برہمی سے وہ بولا۔

ہاشم خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہاری تقریر ختم ہو گئی؟"

"میرا جواب ناں میں ہے، تم جا سکتے ہو۔" فولڈر بے زاری سے واپس ڈالا۔ ہاشم چند لمحے چبھتی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ "تم وہ گفتگو بھول گئے ہو غالباً جو پچھلی دفعہ یہاں آ کر میں نے کی تھی؟"

گود میں رکھی سعدی کی مٹھیاں بھنچ گئیں، مگر اس نے خود کو ٹھنڈا رکھنا چاہا۔ (نہیں سعدی۔ وہ تمہیں توڑنا چاہتے ہیں۔ تم نے نہیں ٹوٹنا۔)

"وہ گفتگو جس میں تم نے میرے خوف سے مجھے مفلوج کر دیا تھا؟"

"میں وہ ایک... ایک لفظ دوبارہ دہرا سکتا ہوں، مگر تمہیں تکلیف ہو گی، بچے۔ اور میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔"

"تمہارا محبت کا فلسفہ تمہاری ہی طرح کرپٹ ہے۔ تم اپنے محبوب لوگوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہتے ہو۔ تم نے کبھی نوشیرواں کو بڑا نہیں ہونے دیا، وہ ایک ایک چیز کے لئے تمہارا محتاج ہے۔ تم نے شہرین کے ساتھ بھی یہی کیا۔ اسے اپنی مرضی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی۔ تم مجھے پسند کرتے ہو میں جانتا ہوں، کیونکہ مجھے تو سب پسند کرتے ہیں۔" کندھے اچکا کر بظاہر لاپرواہی سے بولا۔ دل میں ابلتے غصے کو دبانے کی کوشش کی۔ "تم نے مجھے اس لئے نہیں بچایا کہ تم مجھے پسند کرتے ہو۔ تم اپنے بھائی کو گلٹ سے بچانا چاہتے تھے، اور مجھے اس کی کمپنی کے لئے استعمال کرنا چاہتے تھے، مگر... میں..." رک رک کر بولا۔ "میں... نوشیرواں... نہیں ہوں!"

ہاشم کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے اٹھا۔

"تمہارے پاس تین گھنٹے ہیں۔ سوچ لو۔ میں ایک کام سے جا رہا ہوں۔ مجھے واپسی پہ یہ کاغذ بھرے ہوئے ملنے چاہئیں، ورنہ تمہاری ہٹ دھرمی کی قیمت تمہاری بہن ادا کرے گی۔"

سعدی نے سختی سے میز پہ ہاتھ جما دیے۔ پھر خود کو روکا۔ اس نے ایک مہینہ اس دن کے لئے مشق کی تھی۔ وہ اتنی جلدی نہیں ٹوٹ سکتا تھا۔

"تم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ جاؤ اپنے کام بھگتاؤ۔"

''تین گھنٹے!'' ہاشم نے کلائی کی گھڑی دکھاتے ہوئے تنبیہہ کی اور گارڈز کو اشارہ کرتا باہر کی طرف بڑھ گیا۔

چند منٹ بعد وہ واپس کمرے میں موجود تھا' مگر اب کی بار انہوں نے کمرے کا صرف شیشے کا دروازہ بند کیا' دوسرا لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا۔ یہ اسی دن سعدی کو معلوم ہوا تھا کہ اس کے کمرے کے دو دروازے تھے۔ لکڑی کا اندر کی طرف کھلتا۔ شیشے کا باہر کی طرف۔ لکڑی کے دروازے پہ دو لاکس لگے تھے' اور شیشے والے پہ نمبرز پیڈ۔ یعنی وہ کوڈ سے کھلتا تھا۔

اب وہ بیڈ پہ بیٹھا لاونج نما کمرے میں مستعد گارڈز دیکھ سکتا تھا۔ فولڈرز اور پین بیڈ پہ ساتھ رکھا تھا۔ اور میری قریب کھڑی کہہ رہی تھی۔

''وہ جو کہہ رہا ہے' کرے گا بھی سہی۔''

''جب مشورہ مانگوں تب دینا۔ ابھی مجھ سے بات مت کرو۔'' منہ پھیر لیا۔ میری سر جھٹک کر باہر نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کون قاتل بچا ہے شہر میں فیض

جس سے یاروں نے رسم و راہ نہ کی

ہارون عبید کے گھر کے آرام دہ اور کوزی لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا' اور وہ صوفے پہ بیٹھے چند کاغذات دیکھ رہے تھے۔ ساتھ آبدار بیٹھی گاہے بگاہے ان کو دیکھتی تھی' جیسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ تبھی ایرانی بلی دوڑتی ہوئی آئی اور جست لگا کر آبدار کی گود میں بیٹھ گئی۔ ہارون نے (اونہوں) خفگی سے بلی کو دیکھا' پھر اسے۔

''آبی' اپنی بلیوں' گھوڑوں اور پرندوں کو گھر کے اندر مت لایا کرو۔'' ٹوکا مگر نرمی سے اور کاغذ دیکھنے لگے۔ آبدار نے تو جیسے سنا ہی نہیں' آلتی پالتی کر کے اوپر ہو بیٹھی' اور بلی کی نرم کھال پہ ہاتھ پھیر کر کہنے لگی۔

''بابا' آج آپ اتنے دن بعد دوپہر میں گھر پہ ہیں۔ ایسا کرتے ہیں میں چائینز بنا لیتی ہوں' پھر ہم ساتھ لنچ کریں گے۔ ٹھیک؟''

''نہیں مجھے ایک لنچ پہ پہنچنا ہے ابھی۔ یاد آیا' مسز کاردار نے ویک اینڈ پہ ہمیں کھانے پہ بلایا ہے۔ تم چلو گی؟''

اور انہوں نے دیکھا ہی نہیں کہ چائینز کا پلان کینسل ہونے پہ آبی کی آنکھوں کی جوت کیسے بجھ گئی ہے۔ ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔ ''میرا دل نہیں ہے جانے کا۔ اس دن بھی تو گئی تھی نا ہاشم کی عیادت کے لئے۔ اب اگر وہ لوگ آئے تو پھر جاؤں گی۔ روز روز جاتے اچھا نہیں لگتا۔''

''جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ کاغذات دیکھتے رہے۔ آبدار سر جھکائے بلی کو سست روی سے سہلاتی رہی۔ ''مسز کاردار کو آپ کا تحفہ کیسا لگا؟ آپ نے بتایا نہیں۔'' دل کو پھر سے جوڑ کر گفتگو کا آغاز کیا۔

''اتنا قیمتی بریسلیٹ کسے اچھا نہیں لگے گا؟''

"میں اس شعر کی بات کر رہی ہوں بابا جو آپ نے مجھ سے لکھوایا تھا' من خشت بہ ملکہ داد۔"

"میں نے تمہیں انگریزی میں لکھنے کے لیے کہا تھا تم نے فارسی میں لکھ دیا۔"

"کوئین کو سمجھ آ گیا ہو گا۔ خیر کیسی ہیں وہ؟ آپ لوگ ابھی بھی اپنے کارٹیل میں ساتھ کام کر رہے ہیں نا۔"

تب ہی ہارون کا فون بجا۔ آبدار نے اچک کر اسکرین دیکھی۔ ہاشم کاردار کالنگ۔

"اوہ۔ پہلے میں بات کر لوں۔ میں نے اسے اس دن سے کال بیک ہی نہیں کیا۔" اس نے موبائل لینا چاہا مگر ہارون نے سختی سے فون پیچھے کر لیا۔ "یہ تمہارے لئے نہیں ہے۔" ایک دم سارے کاغذ چھوڑ کر وہ فون کان سے لگائے اٹھ گئے۔ آبدار متعجب سی بیٹھی رہی۔ پھر کاغذوں کو دیکھا۔ وہ محض بلز تھے۔ تو بابا اتنی دیر سے ہاشم کی کال کا انتظار کر رہے تھے؟

"شش" بلی کو تھپک کر بھگایا' اور پھر ننگے پاؤں سج سج کر چلتی ان کے پیچھے آئی۔ وہ گیلری سے گزر کر اسٹڈی روم میں چلے گئے تھے اور اب دروازہ بند تھا۔ وہ دبے قدموں دروازے تک آئی اور اسے ہلکا سا دھکیلا۔ بنا آواز کے وہ ذرا سا کھلا۔ ہارون دوسری طرف رخ کیے بات کر رہے تھے۔ آبدار آنکھوں میں معصوم سی شرارت لئے سنتی رہی۔ اس کی برتھ ڈے اگلے ماہ تھی۔ ہاشم اس کی سالگرہ پہ انوکھے تحفے بھیجا کرتا تھا۔ بابا بھول جاتے تھے تو کیا ہوا؟ ہو سکتا ہے اس سال وہ......

"تمہارا اتھر کول والا Scientist کہاں تک پہنچا ہاشم؟" وہ کہہ رہے تھے۔ "تمہیں یقین ہے وہ تمام معلومات فراہم کر دے گا؟" ذرا ٹھہرے۔ "میں عجلت اس لئے مچا رہا ہوں کیونکہ ہمارے پاس وقت نہیں ہے۔ ہمیں چائنیز رجسٹرڈ کمپنی جلد از جلد شروع کرنی ہے۔" وہ ناخوشی سے کہہ رہے تھے۔ آبدار کی آنکھوں کی شوخی الجھن میں بدلی۔

"میں نے لڑکے کو ملک سے باہر بھیجنے اور اس کو اپنے سیف ہاؤس میں رکھنے میں تمہاری جتنی مدد کی تھی' اب تم بھی اتنی ہی جلدی مجھے کوئی رزلٹ دو ہاشم!"

وہ مڑنے لگے تھے۔ آبدار فوراً الٹے قدموں واپس بھاگی' البتہ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

یقیناً بابا کوئی غلط کام نہیں کر رہے' وہ کسی سائنسدان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مجھے کیا؟ مگر سر جھٹک دینے سے وہ سوچیں جھٹکی نہیں جا رہی تھیں، وہ جس چہرے کے ساتھ گئی تھی' اس کے ساتھ واپس نہیں لوٹی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے خاک نشینو اٹھ بیٹھو، وہ وقت قریب آ پہنچا ہے،

جب تخت گرائے جائیں گے، جب تاج اچھالے جائیں گے

ہاشم واپس آیا تو گارڈز ہتھکڑی لگے سعدی کو لئے اس کے سامنے آئے اور کرسی پہ بٹھایا۔ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے کرّوفر سے بیٹھے ہاشم کاردار نے سر کو خم دیا۔ وہ انہی خاموش چبھتی نظروں سے ہاشم کو دیکھتا رہا۔ ایک گارڈ نے کاغذات لا کر میز پہ رکھے' اور ساتھ قلم بھی۔

''چار گھنٹے ہو چکے ہیں۔تم نے ابھی تک لکھنا شروع نہیں کیا۔'' نارمل انداز میں سوال کیا۔

''میں جواب دے چکا ہوں۔'' لڑکے کی چبھتی نظریں اس پہ جمی تھیں۔

''کیا چاہتے ہو؟ تمہاری بہن کو تمہارے سامنے فون کروں؟ اوہ سعدی!'' افسوس سے سر جھٹکا۔ ''کیوں مجھ سے ایسے کام کروانا چاہتے ہو جو کرتے ہوئے مجھے افسوس ہوتا ہے؟''

سعدی کی آنکھیں سرخ ہوئیں۔ ''بار بار میری بہن کا نام مت لو۔'' وہ غرایا تھا۔ ''تم یہ سب اس لئے کر رہے ہو تا کہ میں اپنی فیملی سے بد ظن ہو جاؤں۔ مگر ایسا نہیں ہو گا کبھی ہاشم!''

''حالانکہ ایسا ہو جانا چاہیے' کیونکہ تمہاری فیملی تمہیں بھول کر اپنی زندگی میں مگن ہو چکی ہے۔ اگر میرا بھائی کھویا ہوتا تو میرے پاس افیئر چلانے کا وقت نہ ہوتا' مگر تمہاری بہن....''

وہ ایک دم بھوکے شیر کی طرح ہاشم پہ جھپٹا تھا۔ ہتھکڑی میں بندھے ہاتھوں سے اس کا گریبان پکڑ کر اس کی گردن دبوچنی چاہی' مگر ہاشم نے سختی سے اسے پیچھے دھکیلا۔ گارڈز نے بروقت اسے قابو کیا۔ وہ سرخ 'پسینے سے تر چہرے سے چلا رہا تھا۔

''اللہ غارت کرے تمہیں' اللہ برباد کرے تمہیں۔'' اس کی سرخ آنکھیں گیلی تھیں اور چلانے کے باعث آواز بیٹھ گئی تھی۔ ہاشم نے ناگواری سے کالر جھٹکے' میری نے جلدی سے رومال لا دیا جس سے اس نے گردن تھپتھپائی جہاں ذرا سی خراش پڑ گئی تھی۔

گارڈز سعدی کو زبردستی بٹھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ تیز تیز سانس لیتا ہانپتے ہوئے مسلسل چلا رہا تھا۔ ہاشم رومال رکھ کر چند لمحے سنجیدگی سے اسے دیکھتا رہا۔

''اپنی جذباتیت کو پرے رکھ کر میری بات سنو۔ کان کھول کر۔'' آنکھوں میں سختی لئے وہ بولا تھا۔ ''تم یہاں اپنی غلطیوں کی وجہ سے ہو' تمہیں اپنے سے بڑے دشمن نہیں بنانے چاہیے تھے' مگر تم نے بنائے۔ اب اپنے خاندان کو اپنی غلطیوں کی سزا مت دو۔ پندرہ منٹ پہلے میں نے تمہاری بہن کو میسج کیا تھا۔ کہ مجھے اس سے ملنا ہے۔ گھر میں نہیں۔ ایک ہوٹل میں...'' وہ موبائل نکالتے ہوئے بتا رہا تھا۔ سعدی گہرے گہرے سانس لیتا' نفرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں نے کہا کہ میرا ڈرائیور اسے پک کر لے گا۔ اسے نہیں معلوم کہ میں ملک سے باہر ہوں۔'' اسکرین اس کے سامنے کی۔ ''اس کا آڈیو میسج آیا ہے۔ یہ اصلی ہے۔ خود سن لو۔'' سعدی کی نظریں اسکرین پہ ٹھہریں۔ اس پہ واٹس ایپ کی گفتگو کھلی تھی۔ اوپر 'حنین یوسف' لکھا تھا۔

ہاشم نے نگاہیں سعدی پہ جمائے پلے کا بٹن دبایا۔

''اوکے' میں آجاؤں گی' آپ ڈرائیور بھیج دیں۔ میں ریسٹورانٹ میں ہوں' مجھے واپس بھی ادھر ڈراپ کروایئے گا' مجھے بھی آپ سے بات کرنی ہے۔ بائے!'' حنین کی مصروف الجھی آواز ختم ہوئی۔ سعدی کا دل کانپ کر رہ گیا۔ ہاتھوں میں لگی ہتھکڑیاں کیا ہوتی ہیں' کوئی اس سے پوچھتا۔

''سو سعدی یوسف..... میرا ڈرائیور ٹھیک بیس منٹ بعد اس کو پک کرنے جائے گا اور ایک ہوٹل میں چھوڑ دے گا۔'' سرد مہری مسکراہٹ کے ساتھ اسے بتانے لگا۔ ''ڈونٹ وری' تمہاری بے وقوف بہن کو کچھ نہیں ہوگا' مگر میرے گارڈز اسے وہیں بند کر دیں گے اور صبح سے پہلے اس کو لوٹنے نہیں دیں گے۔ اور تمہاری جیسی فیملیز میں ایسا ایک واقعہ اس بچی کی ساری زندگی برباد کر سکتا ہے۔ سو اب سب تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' خود بھی پیچھے ہو کر بیٹھا اور تسلی سے جیسے اسے مژدہ سنایا۔

''اللہ برباد کرے تمہیں....''

''اگر تمہیں یقین نہیں ہے تو یہ نمبر دیکھ لو۔ یہ تمہاری بہن کا ہی نمبر ہے۔ مگر شاید اس نے تمہارے جانے کے بعد لیا تھا۔'' اس کو دیکھتے ہوئے ہاشم نے حنین کے نام پہ کلک کیا تو اس کی پروفائل کھل گئی۔ سعدی کی بے بسی بھری غصیلی نظریں ہاشم سے ہوتیں اسکرین پہ ٹھہریں۔

اسکرین پہ حنہ کی پروفائل پکچر تھی۔ اس کی اور سیم کی سیلفی۔ نیچے ایک موبائل نمبر لکھا تھا۔ اور ساتھ ہی اس کا واٹس ایپ اسٹیٹس۔

''واوحی ربک الی النحل!'' ساتھ میں ایک ویڈیو کیمرے کا نشان۔ اور لکھا تھا

Updated 6 mins Ago۔ سعدی ایک دم چونکا۔ ہاشم کو دیکھا۔

''آڈیو دوبارہ دکھاؤ۔'' ہاشم نے حکم کی تعمیل کی۔ آڈیو پلے کی' مگر سعدی صرف آڈیو کا وقت دیکھ رہا تھا۔ وہ بیس منٹ پہلے کی تھی۔ حنین کی آواز اس کی سماعت میں نہیں سنائی دے رہی تھی۔ وہ صرف اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ بیس منٹ پہلے؟ چھ منٹ پہلے؟ کیمیکل انجینئر نے ذہن میں جمع تفریق کی۔ جواب گھاٹے کا نہیں تھا۔ پھر اس نے نگاہیں اٹھائیں' مگر اب ان میں نہ غصہ تھا' نہ نفرت' نہ بے بسی بھرا دکھ۔

ان میں کوئی عجیب سا تاثر تھا۔ ٹھنڈے گوشت جیسا۔

پھر سعدی نے گہری سانس لی' اور ذرا پیچھے کو ہوا۔

''سو؟'' کندھے اچکائے۔

''سو جتنی جلدی تم یہ کاغذ پُر کر دو گے' اتنی جلدی میرے بندے تمہاری بہن کو عزت اور حفاظت سے واپس چھوڑ دیں گے۔''

سعدی انہی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ ''تم چاہو تو میری بہن کو اغوا بھی کر سکتے ہو' مگر تم ایسا نہیں کرو گے' تم کوئی اور جرم افورڈ نہیں کر سکتے' اور چاہتے ہو کہ میری نظروں میں میری بہن کو گراؤ۔ ہے نا؟'' ابرو اٹھا کر پوچھا۔ اس کی آواز میں کاٹ تھی۔ ہاشم دونوں ہاتھ میز پہ رکھے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''میں چاہتا ہوں کہ تم زندگی میں پہلی دفعہ خود کو میری جگہ رکھ کر دیکھو۔'' ایک ایک لفظ چبا کر کہہ رہا تھا۔ ''اب جب اپنی بہن کو بچانے کے لئے تم یہ کاغذ پُر کر کے ایک جرم کرو گے' تو تمہیں احساس ہوگا کہ انسان کو اپنے خاندان کے لئے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔ پھر تم جانو گے کہ تم ہیرو نہیں ہو نہ میں وِلن ہوں۔ بلکہ ہم دونوں ایک جیسے ہیں۔'' زخمی سا مسکرایا۔ ''آج ہم برابر ہو جائیں گے سعدی! کیونکہ جو کرنا ہوتا ہے' وہ کرنا پڑتا ہے۔''

سعدی بھی آگے کو ہوا۔ (گارڈز فوراً چوکس ہوئے) مگر اب وہ ہاشم پہ حملہ نہیں کر رہا تھا۔ وہ بھی اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنے لگا تھا۔

''میں اور تم... برابر نہیں ہیں' کیونکہ میں....'' کاغذ پرے دھکیلے۔ ''ان کو پُر نہیں کروں گا۔''

''اور بے غیرت بننا پسند کرو گے؟ اپنی بہن کا کوئی خیال نہیں ہے؟'' اس نے گویا ملامت کی۔ سعدی پیچھے ہوا۔ مسکرایا۔

''میری بہن تم سے ملنے نہیں آئے گی۔''

''یہ آڈیو جعلی نہیں تھی۔ یہ اصلی تھی۔ میرا ڈرائیور اب تک نکل چکا ہوگا۔ تمہاری بہن واقعی آ رہی ہے۔''

''مجھے پتہ ہے' یہ آڈیو اصلی ہے' مگر... میری.... بہن... نہیں آئے گی!'' چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ ہاشم نے تاسف سے سر جھٹکا۔

''مجھے اس لڑکی پہ ترس آ رہا ہے۔ تم اس کے ساتھ اچھا نہیں کر رہے۔ خیر' تم سوچ لو۔ ہمارے پاس پوری رات ہے۔'' گردن کی خراش کو مسلتے ہوئے وہ سکون سے بولا اور دور کھڑی میری کو لگا' سعدی پھر سے اس پہ جھپٹے گا' مگر ایسا نہیں ہوا۔ وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔

''وہ ابھی تمہیں کال کرے گی' اور کہے گی کہ تم گاڑی نہ بھیجو۔ تمہارے ڈرائیور کو خالی ہاتھ آنا پڑے گا' کیونکہ فارس غازی کی بہن کے ریسٹورانٹ سے تم ایک لڑکی کو زبردستی تو لے جا نہیں سکتے۔'' اس کا اعتماد واپس آ رہا تھا۔ ہاشم کو پہلی دفعہ اچنبھا ہوا۔ وہ کیا مس کر رہا تھا؟

''تم نے شاید غور سے سنا نہیں' تمہاری بہن میری بات رد نہیں کر سکتی' وہ....'' جیب میں اس کا موبائل بجا۔ وہ ایک دم رکا۔ سعدی کی زخمی مسکراہٹ پھر سے نمودار ہوئی۔

''اٹھاؤ ہاشم کاردار' اور اسپیکر آن رکھو' کیونکہ میری بہن ابھی تم پہ غرائے گی' اور میں وہ سننا چاہوں گا۔''

''تمہارا دماغ چل گیا ہے۔ مگر اپنا شوق پورا کر لو۔'' وہ اسی کروفر سے اٹھا اور گارڈز کو اشارہ کیا۔ وہ اس کا ہر اشارہ پہچانتے تھے' اس سے سعدی کو اندازہ ہوا کہ وہ اس قید خانے میں لایا جانے والا پہلا قیدی نہیں تھا۔ یہ کوئی ویئر ہاؤس تھا' جو سیف ہاؤس کے طور پہ استعمال ہوتا تھا۔

گارڈز اسے واپس اس کے کمرے میں لے آئے۔ لکڑی کا دروازہ کھلا رہنے دیا' اور شیشے کا دروازہ مقفل کر دیا۔ سعدی بیٹھا نہیں' دروازے کے ساتھ کھڑا رہا۔ دیوار میں لگا انٹر کام کی طرح کا اسپیکر ایک گارڈ نے چلا دیا تھا۔ اسے نہیں معلوم کہ ہاشم نے اپنے سیل کو کس طرح اس سے جوڑ رکھا تھا' مگر اتنا وہ سمجھ گیا تھا کہ اس اسپیکر سے اس کو ان کی گفتگو سنائی دے سکتی تھی' مگر سعدی کی آواز نہیں جا سکتی تھی۔

ہاشم کا فون مسلسل بج رہا تھا۔ جب دروازہ بند ہو چکا اور اس نے اپنے قیدی کو شیشے کے دروازے پہ ہاتھ جمائے' خود کو دیکھتے پایا تو کال اٹھا لی۔

''ہیلو حنین!'' خوشگوار لہجے میں بولا۔ نظریں شیشے کے پار سعدی پہ جمی تھیں۔ دوسری طرف خاموشی تھی۔ گہرے سانس۔

''حنین؟'' ہاشم نے پھر پکارا۔

''آپ نے ڈرائیور بھیج دیا؟'' سپاٹ سا انداز تھا۔

''ہاں! بھیجنے والا ہوں۔تم تیار ہو؟'' طنزیہ نظروں سے سعدی کی آنکھوں میں دیکھتے پوچھا۔پھر خاموشی۔

''نہیں'میں نہیں آرہی۔ڈرائیور واپس کرلیں۔''

سعدی کی اٹھی گردن مزید اٹھ گئی۔ہاشم پہ جمی چبھتی نظروں میں ملامت در آئی۔

ہاشم کاردار کو ایک دم گردن کی خراش میں شدید درد ہوا۔اسے لگا اس نے غلط سنا ہے....

''کیا مطلب؟ تم نے ابھی کہا'تم...''

''مجھے پتہ ہے میں نے کیا کہا'اور اب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نہیں آرہی'سو نہیں آرہی'بات ختم!''

شیشے پہ دونوں ہاتھ رکھے سعدی نے آنکھیں بند کر کے ایک گہری سانس اندر اتاری۔

''کیا مطلب؟ مجھے تم سے ضروری بات کرنی تھی حنین۔'' ہاشم کا گلا دب رہا تھا۔میز پہ رکھے کاغذ دیکھتے اس نے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔وہ ہارون کو کیا جواب دے گا؟

''رات کو گھر آئیے گا'ماموں کے سامنے کر لیجئے گا جو بات بھی ہو۔آخر آپ ماموں کے کزن ہیں'اتنا تو حق ہے نا آپ کا۔'' وہ سرد مہری مگر گیلی سی آواز میں کہہ رہی تھی۔''اور پلیز مجھے ہر وقت کال مت کریں۔میں آپ سے رشتے دار سمجھ کر کبھی بات کر لیتی ہوں تو آپ اس کا غلط فائدہ مت اٹھایا کریں۔''

ہاشم نے متعجب سے ہو کر دروازے کو دیکھا۔سعدی اسی طرح وہاں کھڑا تھا۔ہاشم کے ماتھے پہ ٹھنڈا پسینہ آگیا۔ایک دم سب غلط ہو رہا تھا۔

''تمہیں دس منٹ میں کیا ہو گیا ہے؟ ابھی تو تم بالکل ٹھیک تھیں۔کسی نے منع کیا ہے مجھ سے ملنے کے لئے آنے کو؟'' وہ ذرا غصے ہوا۔شیشے کے پار کھڑے سعدی کی نظریں.... ہاشم کا چہرہ احساس توہین سے سرخ پڑنے لگا۔

''ہاں۔کیا ہے منع!میرے بھائی نے منع کیا ہے۔''

ہاشم کا سانس رک گیا۔وہ بالکل پلک جھپکے بنا سعدی کو دیکھے گیا۔

''سعدی...تمہاری سعدی سے بات ہوئی ہے؟'' وہ اگلی دس زندگیوں میں بھی اس بات پہ یقین نہیں کر سکتا تھا۔سعدی تو سارا وقت اس کے سامنے بیٹھا رہا تھا۔تو پھر....؟

''ہاں ہوئی ہے میری سعدی بھائی سے بات۔اب پلیز....مجھے ڈسٹرب مت کریں۔'' اور ٹھک سے فون بند ہو گیا۔

ہاشم نے بمشکل 'ہیلو' کہا۔پریشانی سے'تعجب سے۔چند لمحوں کے لئے اسے بھول گیا تھا کہ وہ کہاں کھڑا ہے'صرف یہی یاد تھا کہ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا ہے' اور اس کا دل حیرت اور شاک سے دھڑکنا بھول چکا ہے۔فون کان سے ہٹا کر چہرہ اٹھایا۔

شیشے کے دروازے کے پار کھڑا سعدی آنکھوں میں چبھن بھرے اسے دیکھ رہا تھا۔ہاشم تیزی سے آگے آیا'کو ڈ دبا کر دروازہ کھولا'اور

اسے گریبان سے پکڑ کر سامنے کیا۔

''کیا کیا ہے تم نے؟ ہاں؟'' تعجب اور غصے سے وہ چلایا تھا۔ ''دس منٹ میں کیا بدل دیا ہے تم نے؟ اس (گالی) نے میرے منہ پہ فون بند کر دیا۔''

''فاذا قراءت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطٰن الرجیم!'' (پھر جب تم قرآن پڑھو تو پناہ مانگا کرو دھتکارے ہوئے شیطان سے) سعدی تیز تیز سانسوں کے درمیان بولا تھا۔ ہاشم نے اس کو گریبان سے جھٹکا دے کر چھوڑا اور انہی بے یقین نظروں سے دیکھتا پیچھے ہوا۔

''بے شک....'' وہ واپس بیڈ پہ بیٹھتے ہوئے، گہرے، تھکے سانس لے کر خود کو پُرسکون کر رہا تھا۔

''بے شک اس (شیطان) کا کوئی زور نہیں چلتا ان لوگوں پہ جو ایمان لائے...'' اپنی پیشانی ہتھیلیوں پہ گرائے، وہ چہرہ جھکائے، آنکھیں بند کیے پڑھ رہا تھا۔ ''اور جو اپنے رب پہ توکل کرتے ہیں۔''

ہاشم انہی بے یقین آنکھوں سے اسے دیکھتا قدم قدم پیچھے ہٹ رہا تھا۔

''بے شک (اس) شیطان کا زور انہی لوگوں پہ چلتا ہے جو اس سے دوستی کر لیتے ہیں..'' (سورہ نحل) اس کی آواز دھیمی ہو رہی تھی۔ ہاشم تر پیشانی اور حیرت زدہ آنکھیں لئے دروازے تک پیچھے ہٹ گیا۔

''آج کے بعد تم میری بہن کو میرے خلاف استعمال نہیں کر سکتے، اس لیے اگلی دفعہ مجھے دھمکانے آنا تو کوئی اور طریقہ ڈھونڈنا۔'' وہ بلند آواز سے کہہ کر گویا اسے چیلنج کر رہا تھا۔

''تم... تمہاری بہن... فارس... سب اس کی سزا کاٹو گے۔ تم انتظار کرو۔'' چوکھٹ تک رکا اور زور سے غرایا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور گردن کی خراش دہک رہی تھی۔ آستین سے تر پیشانی رگڑی اور مڑ کر باہر نکلتا گیا۔

سعدی ابھی تک زیرِ لب کچھ پڑھ رہا تھا مگر اس کی آواز اتنی ہلکی تھی کہ سنائی نہ دیتی۔ پورے زنداں خانے میں سناٹا چھایا تھا۔ پھر میری اس کے پاس آئی۔ اسے پانی لا کر دیا۔

''تم نے کیا کیا سعدی؟''

سعدی نے نچڑا ہوا چہرہ اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''تم نہیں سمجھو گی۔''

میری کی آنکھوں میں تاسف در آیا۔ ''جب تم سات سال پہلے قصرِ کاردار آئے تھے تو تمہارے آگے دروازہ میں نے کھولا تھا۔ اگر نہ کھولتی تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔'' سعدی کچھ کہے بنا پانی کے گھونٹ بھرنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
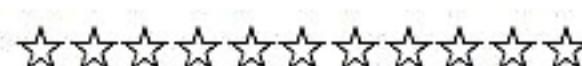
اب ٹوٹ گریں گی زنجیریں، اب زندانوں کی خیر نہیں

جو دریا جھوم کے اٹھے ہیں تنکوں سے نہ ٹالے جائیں گے

سعدی اور اس کے زنداں خانے کو وہیں چھوڑ کر ہم چند منٹ پیچھے واپس اسلام آباد کے اس ریسٹورانٹ میں جاتے ہیں جہاں اوپری کمرے میں حنین بیٹھی رجسٹر پہ پھول بوٹے بنا رہی تھی۔ وہ آیت ہنوز لکھی موجود تھی، مگر حنین کو جب کچھ خاص سمجھ نہ آیا تو غور و فکر کرنا ترک کر دیا۔ تبھی زمر اندر داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔

''موبائل کمپنی نے بالآخر سگنل رپورٹ بھیج ہی دی۔'' وہ اندر سے کاغذ نکالتے ہوئے دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھی۔ حنین نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مگر بھائی کا موبائل سگنل آخری دفعہ ہماری کالونی میں آن ہوا تھا' یہ بتایا تو تھا پولیس نے۔''

''ہاں مگر اس کا واٹس ایپ اگلے دن بھی آن ہوا تھا' بائیس مئی کو' پولیس نے یہ نہیں بتایا۔ اس لئے میں نے کمپنی سے رابطہ کیا تھا۔ سست روی سے سہی' کام انہوں نے کر دیا۔ تم تو کر کے دینے پہ تیار نہیں تھیں۔'' وہ طنز نہیں تھا' بس سادگی سے کہا اور صفحے کھول کر چہرے کے سامنے کیے۔

حنین نے خفگی سے کچھ کہنا چاہا پھر سر جھٹک کر اس کے قریب آئی اور کاغذ پہ دیکھا۔ پھر دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔

''یہ علاقہ.... یہ تو وہی ہے پھپھو جہاں ہم اب رہتے ہیں۔''

''اور جہاں کاردار رہتے ہیں۔'' زمر سوچتے ہوئے پڑھتی جا رہی تھی۔ حنین الجھ کر رہ گئی۔

''سعدی کو آخری کال ہاشم کی طرف سے کی گئی ہے۔ دیکھو... یہ پولیس کی رپورٹ میں نہیں تھا۔'' وہ دکھا رہی تھی۔

''اس رات ہم سب ہی بھائی کو کال کر رہے تھے۔''

''مگر ہاشم کی کال کے وقت فون قصرِ کاردار یا ہماری انیکسی کے آس پاس تین کلومیٹر کے علاقے میں تھا۔ دوبارہ وہ بارہ بجے کے بعد آن ہوا' تقریباً رات کے تین بجے۔ تب بھی وہ اسی علاقے میں تھا۔ اس کا واٹس ایپ بھی تبھی آن ہوا ہوگا۔'' کاغذ رکھ کر وہ سنجیدگی سے حنین کو دیکھنے لگی۔ ''سعدی کی دو چیزیں کھوئی تھیں۔ کی چین اور موبائل۔ کی چین ممکنہ طور پہ اس گواہ لڑکی کے پاس تھا' مگر سیل فون کس کے پاس تھا؟ اور وہ اسے اس علاقے میں کیوں لے کر گیا؟''

''آپ کو کیا لگتا ہے؟''

''ہو سکتا ہے کہ صرف ایک گواہ نہ ہو' بلکہ قصرِ کاردار میں سے بھی کوئی گواہ ہو۔'' چند لمحے سوچا۔ ''نوشیرواں اس دن سے متضاد باتیں کہہ رہا ہے' یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ بھی وہاں موجود ہو۔ ظاہر ہے وہ سعدی کا دوست ہے' وہ....''

''نہیں وہ بھائی کا دوست نہیں ہے۔'' وہ ایک دم بولی۔ زمر رک کر اسے دیکھنے لگی۔ ''مگر... سب جانتے ہیں کہ وہ دونوں دوست ہیں۔''

''میں باقی سب سے زیادہ جانتی ہوں بھائی کے بارے میں۔ میں نے سگنل ڈھونڈنے میں مدد نہیں دی' مگر پچھلے چار سال سے جب نہ فارس غازی ادھر تھا' نہ زمر یوسف' تب حنین ہی تھی جو سعدی کے ساتھ تھی' اس لئے... وہ دوست نہیں تھے!'' قطعیت سے بتایا۔ اور یہ بھی طنز

نہ تھا۔زمر نے گہری سانس لی۔

''وجہ؟''

''کسی لڑکی کو شیرو تنگ کرتا تھا' اس لڑکی نے اپنے منگیتر سے شیرو کو پٹوایا۔ بھائی نے سامنے موجود ہونے کے باوجود شیرو کی کوئی مدد نہیں کی۔ آرام سے بیٹھا رہا۔اس پہ وہ بھائی سے خفا ہو گیا۔''

''مگر سعدی نے کوئی مدد کیوں نہیں کی؟''

''پتہ نہیں۔ پھر بعد میں وہ ڈر گز لیتا تھا تو بھائی نے اس کی شکایت اس کی ممی کو لگائی' پھر میں نے اس کے اغوا کا پول کھولا۔ شیرو بھائی تو تب سے ہمارے جانی دشمن ہیں۔''

''تم نے پہلے نہیں بتایا۔''

''آپ نے پوچھا ہی نہیں۔''اس نے شانے اچکائے۔ چند لمحے خاموشی چھا گئی۔

''تمہارا خیال ہے کہ...شیرو سعدی کو گولی مار سکتا ہے؟''

''ارے نہیں... اس سے تو اغوا بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا' گولی کہاں مار سکتا ہے کسی کو۔ میں صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ وہ دوسرا گواہ ہو سکتا ہے مگر بھائی سے بغض کی وجہ سے ہو سکتا ہے کہ خاموش ہو۔''

''جو بھی ہے' تم مجھے شام میں وہ پین چارج کر کے دو گی' ہو سکتا ہے اس میں کچھ اہم ہو۔'' پھر واپس گھوم کر دوبارہ سے کاغذ دیکھنے لگی۔ آنکھوں میں ستائش تھی۔

''یہ موبائل سگنل بھی کیا چیز ہے حنین! نظر بھی نہیں آتا مگر اتنا مضبوط ہے کہ ختم ہو جانے کے بعد بھی اپنا نشان نہیں کھوتا۔''

حنین نے تمام سوچوں کو ذہن سے جھٹکا' اور رخ موڑ کر بیٹھ گئی۔ الجھی نگاہوں سے اس آیت کو دیکھنے لگی۔ تبھی موبائل بجا۔ اس نے بے زاری سے دیکھا۔ ہاشم کا پیغام تھا۔ اسے ملنے کے لئے بلا رہا تھا۔ وہ ٹائپ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی' گردن موڑ کر دیکھا' زمر فون پہ کسی وکیل سے بات کرتی اٹھ کر جا رہی تھی۔ وہ چلی گئی تو حنہ نے پیغام ریکارڈ کر کے اسے بھیجا۔ ملنا ہی تھا تو آدھے گھنٹے کے لیے وہ مل لے گی اور حلیمہ والی بات بھی کلیئر کر لے گی۔ اور پھر سے رجسٹر کے کنارے پھول بوٹے بنانے لگی۔ وہ آیت ابھی تک صفحے پہ جگمگا رہی تھی۔ واوحیٰ ربک الی النحل۔

شہد میں شفا ہے' مگر... دل کی بیماری کی شفا شہد میں کیسے ہے؟ اس آیت میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔ مگر کون سی نشانی؟ وہ سوچتی جا رہی تھی۔ ذہن میں زمر کے کہے الفاظ گونج رہے تھے۔

''یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین...''

شہد کو عربی میں کیا کہتے ہیں؟ عسل؟ اس نے ذہن سے اس آواز کو جھٹکتے ہوئے آیت پہ توجہ دی۔ ہو سکتا ہے ''عسل'' کا کوئی اور مطلب

بھی ہو۔ کہتے ساتھ اس نے عسل کا لفظ آیت میں ڈھونڈنا چاہا۔

''یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے....''

مگر ایک منٹ۔ وہ الجھی۔ عسل کا لفظ تو آیت میں تھا ہی نہیں۔ آیت میں شہد کا لفظ تو تھا ہی نہیں۔ وہاں تو صرف ''مشروب'' (شراب) لکھا تھا۔ پھر... وہ شہد کیوں ڈھونڈ رہی تھی؟'

''یہ موبائل سگنل بھی.....''

وہ صفحہ اپنے قریب لائی۔ آنکھوں کے بالکل قریب۔ پلکیں سکوڑ کر اسے دیکھا۔ وہ غلط شے کو تلاش کر رہی تھی۔ وہ ''آیتِ عسل'' نہیں تھی۔ وہ ''آیتِ نحل'' تھی۔ موضوع شہد نہیں تھا' موضوع شہد کی مکھی تھا۔ ہنی بی۔ دی ہنی بی۔

زمر ساتھ آ کر بیٹھی اور اپنا کام کرنے لگی۔ حنین اسی طرح صفحے کو دیکھ رہی تھی۔

(سعدی بھائی بھی مجھ سے ایک دفعہ پوچھ رہے تھے۔)

(یہ موبائل سگنل بھی کیا عجیب چیز ہے حنین۔)

وہ متحیر سی خود سے بڑبڑائی۔ ''موبائل سگنل۔''

''سوری؟'' زمر نے اسے سوالیہ دیکھا' اسے لگا حنہ نے اسے پکارا ہے' مگر حنین اس وقت کسی اور دنیا میں تھی۔ اس نے نہیں سنا۔ بس تیزی سے اٹھی اور زمر کے آگے رکھا سعدی کا لیپ ٹاپ اٹھایا' اور اسے اپنی میز پہ لے آئی۔ بے قراری سے وہ جلدی جلدی کیز دباتی فیس بک کھول رہی تھی۔

سعدی کا فیس بک پہ دوستوں کا ایک گروپ تھا' چھوٹا سا' جہاں وہ ہر ہفتے اپنی ایک سیلف ویڈیو پوسٹ کرتا تھا' اس میں وہ کسی منتخب آیت کی اپنی سمجھ اور علم کے لحاظ سے تفسیر بیان کرتا تھا۔ یہ سلسلہ اس نے سال بھر پہلے چھوڑ دیا تھا' جاب کی مصروفیت کی وجہ سے' مگر وہ ویڈیوز اب بھی اس گروپ میں تھیں۔ حنہ اس گروپ میں تھی' مگر چونکہ وہاں سعدی کے دوست تھے' سو اس کو کمنٹ کرنے کی اجازت بھائی کی طرف سے نہیں تھی' لیکن ویڈیوز وہ دیکھا کرتی تھی' نیٹ چھوڑنے کے بعد بھی وہ ان ویڈیوز کو تب دیکھ لیتی جب بھائی امی کو دکھاتا.... اسے لگتا تھا وہ ان کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ہے' لیکن آج دونوں کانوں کے درمیان کچھ اٹک گیا تھا...

مطلوبہ صفحہ کھل گیا... وہ ویڈیو آج بھی وہاں موجود تھی۔ اس کا نام ''آیتِ نحل'' تھا۔

دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے ویڈیو کھولی۔ کانوں میں ائیر فونز لگائے۔

اسکرین پہ ریسٹورانٹ کی کونے والی میز نظر آنے لگی۔ ایک یا سوا سال پہلے کا سعدی ادھر بیٹھا تھا' اور اسکرین پہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ چند ابتدائی فقرے۔ حنہ نے اسکرین کو انگلیوں سے چھوا۔ کتنے دن بعد اس نے سعدی کو بولتے دیکھا تھا۔

چند لمحوں بعد وہ موضوع پہ آ گیا تھا۔

''کل صبح فجر پہ میں سورۃ نحل پڑھ رہا تھا' تو آیات نحل نظروں سے گزریں' تو میں نے ان پہ غور و فکر کیا۔ ہم اکثر قرآن میں اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنتے ہیں کہ ''اس میں نشانی ہے اس قوم کے لئے جو غور و فکر کرتی ہے۔'' غور و فکر کرنا کیا ہوتا ہے؟ اس آیت کی تفاسیر سے تفسیر پڑھ لینا؟ کیا یہ کافی ہوتا ہے؟ میرے خیال میں نہیں۔'' ذرا رک کر سانس لی۔

''غور و فکر کہتے ہیں تفتیش کو جیسے انگریزی فلموں میں سراغ رساں حضرات چھوٹے چھوٹے کلیوز کا تعاقب کرتے ہوئے مجرم تک پہنچتے ہیں۔ میرے نزدیک قرآن میں غور و فکر کرنا بھی میٹریل evidence کو فالو کرنے جیسا ہے... یعنی ٹھوس شواہد کا پیچھا کرنا۔ ٹھوس شواہد میں ہر وہ چیز آتی ہے جو ٹھوس ہو جسے آپ چھو سکیں۔ جیسے ایمان، کفر، شرک، روزہ، نماز یہ ٹھوس چیزیں نہیں ہیں۔ مگر سمندر، پانی، جانور، شہد یہ ٹھوس چیزیں ہیں۔ سو، آیتِ نحل کو پڑھتے ہوئے میں نے سوچا کہ اس میں موجود میٹریل شواہد کا تعاقب کرتا ہوں۔ شاید تب کچھ سمجھ آئے۔''

وہ سانس لینے کو ٹھہرا اور حنہ بالکل سانس روکے اسے سن رہی تھی۔

''اس میں میٹریل چیز شہد تھی' میں چند جگہوں پہ گیا' خالص شہد کے لئے۔ مگر پھر ایک دن مجھے اندازہ ہوا کہ لفظ شہد تو آیت میں لکھا ہی نہیں ہے' یہ آیتِ عسل نہیں تھی' یہ آیتِ نحل تھی۔ موضوع نحل ہے' سارا مسئلہ نحل کا ہے۔ تب مجھے ایک بہت دلچسپ بات معلوم ہوئی' مگر اس کے لئے ہمیں پچھلی تین آیات کو ملا کر پڑھنا ہوگا۔'' اب اس نے میز پہ رکھا قرآن کھولا اور اس میں سے دیکھ کر بتانے لگا۔

''ان چار آیات میں اللہ تعالیٰ نے چار قسم کی ڈرنکس کا ذکر کیا ہے۔ ایک ایک کر کے سب کو دیکھتے ہیں۔''

وہ ''اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم'' پڑھ کر آیت پڑھنے لگا۔ ''اور اللہ نے اتارا آسمان سے پانی' پھر زندہ کر دیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد۔ بے شک اس میں البتہ ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور سے سنتے ہیں۔'' چہرہ اٹھایا اور اپنی ازلی معصوم مگر پیاری مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا۔

''اب بظاہر یہ زمینداروں اور کسانوں سے متعلقہ آیت لگتی ہے' کہ کیسے بارش کے بعد بنجر زمین زرخیز ہو جاتی ہے' مگر جو لوگ سنتے ہیں' یعنی جو لوگ قرآن کو غور سے سنا کرتے ہیں' ان کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں عموماً جب 'آسمان سے نازل شدہ پانی' کا ذکر کرتے ہیں' تو اس سے مراد وحی ہوتی ہے۔ وحی الٰہی۔'' قدرے توقف سے کہنے لگا۔

''وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ ایک تو قرآن' اور الہامی کتابوں کی صورت میں۔ ان میں اللہ بندے سے مخاطب ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اللہ پردے کے پیچھے سے خود بندے سے مخاطب ہوں' جیسے موسیٰ علیہ السلام سے کوہِ طور پہ ہوتے تھے' یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج کے موقعے پہ ہوئے تھے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ اللہ اپنے فرشتے کو انسان کے پاس کوئی پیغام دے کر بھیجیں۔ اس تیسری وحی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو جو انبیاء کے پاس جبریل علیہ السلام کے ذریعے اترا کرتی تھی۔ اور دوسری ''الہام'' یعنی دل میں خیال کا ڈالے جانا۔ یہ ہر انسان کو ہوتا ہے۔ مگر یاد رکھیے' الہام شیطانی بھی ہو سکتا ہے' اور فرشتے کے ذریعے بھی ہو سکتا ہے' اس کو جج آپ شریعت کے اصولوں پہ ہی کریں گے۔ یہی الہام موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہوا تھا جس کی بنا پہ انہوں نے اپنا بچہ نیل میں اتارا تھا' اور یہی شہد کی مکھی کو ہوا تھا' یعنی ان

کے دل میں خیال ڈالا گیا تھا۔" چند لمحے کے لئے رک کر قرآن کو دیکھا۔

"تو ان پانچ آیات میں پہلی قسم کی ڈرنک "پانی" ہے۔ وحی الٰہی جو آسمان سے اترتی ہے اور مردہ دلوں کو زندہ کر دیتی ہے۔ کوئی بھی چیز دل کو ایسے زندہ نہیں کرتی جیسے قرآن کرتا ہے، اور کوئی بھی چیز ایسے دل مردہ نہیں کرتی جیسے اونچے قہقہے کرتے ہیں۔"

پھر صفحہ پلٹایا۔ "اگلی آیت دیکھتے ہیں۔" پہلے عربی پڑھی، پھر اردو میں بتانے لگا۔

"۔اور بے شک تمہارے لئے مویشی جانوروں میں ایک سبق ہے۔ ہم تمہیں ان کے پیٹوں میں گوبر اور خون کے درمیان سے خالص دودھ پلاتے ہیں، خوشگوار ہے وہ پینے والوں کے لئے۔" سعدی نے چہرہ اٹھایا۔

"بارش وہ چیز ہے، جو فصل پہ ہو یا دل پہ، اس کا فائدہ ہی فائدہ ہوتا ہے۔ بارش کو اللہ نے ہمیشہ رحمت کہا ہے، کسی قوم کو بارش سے عذاب نہیں دیا، ہم ڈیم نہیں بناتے، اور پلاننگ نہیں کرتے، اس لئے بارش زحمت بن جاتی ہے، ورنہ بارش تو سراسر فائدہ ہوتی ہے۔ اب دوسری قسم کی چیز دیکھئے۔ دودھ۔" وہ کہہ رہا تھا اور حنین ہر شے بھلائے یک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے یہ سب اس طرح کیوں نہیں سمجھ آیا تھا جیسے سعدی کو آیا تھا؟

"دودھ ان اچھی چیزوں کی مثال بیان کرتا ہے جو بری چیزوں سے نکلتی ہیں۔ خون اور گوبر کے درمیان سے خالص اور پاک دودھ کا نکلنا، ہمیں یہ بتاتا ہے کہ برے سے برے حالات میں بھی ہم اپنے خلوص اور پاکیزہ نیت سے راستے نکال سکتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو۔ آپ کو معلوم ہو گا وہ واقعہ کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین پیالوں میں سے دودھ کا انتخاب فرمایا تھا۔ کیونکہ دودھ عین فطرت ہے۔ تو فطرت میں کوئی چیز اچھی یا بری نہیں ہوتی، آپ گندگی میں سے بھی اچھی چیز نکال سکتے ہیں۔ اب تیسری ڈرنک دیکھئے۔"

قرآن سے پڑھ کر سنانے لگا۔

"اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم بنا لیتے ہو نشہ آور چیزیں (شراب) اور اچھا رزق (بھی بناتے ہو)۔ بے شک اس میں ایک نشانی ہے اس قوم کے لئے جو عقل رکھتی ہے۔"

"تو میرے عقل والے دوستو، تیسرا مشروب، یعنی شراب بنایا جاتا ہے پاکیزہ پھلوں سے۔ کھجور جیسے شجر طیبہ سے بھی بری چیزیں بن سکتی ہے۔ یہ سب آپ کے اوپر ہے۔ آپ اچھی چیز سے بھی بری بنا سکتے ہیں، اور بری سے بھی اچھی نکال سکتے ہیں۔ اس لئے چیزوں کو درست استعمال کریں۔ کمپیوٹر سے اچھے کام کیا کریں۔ جو نہیں دیکھنا چاہیے، وہ نہ دیکھا کریں۔ اور جس کی اجازت نہیں ہے، وہ بھی نہ کیا کریں۔ آپ کوئی ناول پڑھ رہے ہیں، مگر پیرنٹس نے اجازت نہیں دی ناولز پڑھنے کی تو اسے پڑھ کر آپ پیرنٹس کے ساتھ خیانت کر رہے ہیں۔ ان کو کنوینس کریں، لیکن چھپ کر مت پڑھیں۔ یہ غلط ہے۔"

پھر اگلی آیت کی طرف متوجہ ہوا۔

"اور وحی کی تمہارے رب نے شہد کی مکھی کی طرف۔

کہ بنالے اپنا گھر پہاڑوں پہ

'اور درختوں میں' اور اس میں جو وہ چڑھاتے ہیں (اونچی چھتیں)

پھر کھا ہر قسم کے پھلوں میں سے۔

پھر چلتی رہ اپنے رب کے آسان راستوں پہ۔

نکلتا ہے ان (شہد کی مکھیوں) کے پیٹوں سے شربت۔

مختلف ہیں رنگ اس کے۔

شفاء ہے اس میں لوگوں کے لئے۔

البتہ یقیناً اس میں ایک نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرتے ہیں۔''

سعدی چہرہ اٹھا کر واپس کیمرے میں دیکھنے لگا۔ ''بظاہر یہ ایک بہت سادہ سی آیت ہے۔ اس میں چوتھے مشروب کا ذکر ہے۔ شہد۔ جس کے پینے میں شفا ہے۔ میری ٹیچر کہتی تھیں کہ رسول اللہ ﷺ نے شہد کے ''پینے'' میں شفا کا ذکر کیا ہے۔ ویسے شہد پینے اور شہد کھانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ کبھی آزما کر دیکھئے گا۔'' ذرا رک کر گہری سانس لی۔ حنین بے قراری سے اس کو دیکھتی اس کے اگلے الفاظ کی منتظر تھی۔

''اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھی کے دل میں خیال ڈالا کہ وہ آبادیوں سے دور' اونچی محفوظ جگہوں پہ اپنے گھر بنائے' پھلوں میں سے کھائے' اور آسان راستوں پہ چلے۔ پھر جو اس کے پیٹ سے نکلے گا' شہد' اور ایک دوسری رطوبت بھی وہ شفا بخش ہوتی ہے۔ یہ تو ہو گیا آسان ترجمہ۔ مگر غور و فکر کرنے والے لوگ سادہ ترجمے پہ بس نہیں کرتے۔ ان کو کوئی نہ کوئی مزید مطلب ڈھونڈنا ہوتا ہے' اور وقت اور حالات کے ساتھ یہ مطلب بدل جایا کرتے ہیں' قرآن میں وسعت ہے' مگر افسوس کہ قرآن پڑھنے والوں میں وسعت نہیں ہے۔ خیر۔'' صفحے پہ ایک نظر دوڑاتے گردن جھکائی۔

''میں کافی دیر شہد ڈھونڈتا رہا۔ خالص شہد' پھر مجھے اندازہ ہوا کہ خالص شہد ناپید ہوتا جا رہا ہے' تو میں شہد کی مکھی کی طرف آیا۔ اس آیت میں ٹھوس شے وہی تھی۔ مجھے اس دوران ایک دلچسپ ریسرچ ملی۔ گو کہ کچھ لوگ اس تحقیق کو نہیں مانتے' اور وہ کہتے ہیں کہ شہد کی کمی کی وجہ biopestides کا بے دریغ استعمال ہے' لیکن میں اس تحقیق کو مان سکتا ہوں' کیونکہ مجھے اس میں اور اس آیت میں ایک لنک نظر آتا ہے۔''

کہنے کے ساتھ اس نے اپنا موبائل اٹھایا اور اس کی تاریک اسکرین کمرے میں دکھائی دی۔ ''شہد کیوں ناپید ہوتا جا رہا ہے' اس کی وجہ ہے یہ چیز۔ نہیں' یہ موبائل نہیں' بلکہ اس کے گرد چکراتا' ان دیکھا موبائل سگنل۔''

فون رکھا اور پھر سے سامنے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ''یہ موبائل سگنل بہت عجیب چیز ہے' آپ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہوں' کوئی آپ کو فون کرے تو یہ آپ کو ڈھونڈ لیتا ہے۔ عین آپ کے کان کے قریب آ بجتا ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ جگہ جگہ اونچے ٹاورز لگے ہوتے ہیں

جن سے جڑا ان نادیدہ لہروں کا جال پوری دنیا میں بچھا ہے' یہاں تک کہ دنیا انہی کے جال میں پھنسی ہوئی ہے۔ مگر یہ بری بات نہیں ہے' سیل فون ایک ضرورت ہے' ٹیکنالوجی ہے۔ سب کے پاس ہوتا ہی ہے۔ لیکن....."

حنین کی آنکھیں یکدم بھیگنے لگیں۔ اس کو یاد تھا کہ وہ آگے کیا کہے گا' مگر وہ اسے ایسے سنے گی' اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

"لیکن ہوا یوں کہ شہد کی مکھی اللہ کے حکم پہ دور پہاڑوں درختوں میں اپنا گھر بنا لیتی ہے' وہ سارا دن باہر پھرتی ہے' ہر پھول پھل پہ بیٹھتی ہے' اس کا رس لیتی ہے' اور پھر وہ واپس اپنے گھر جاتی ہے' اور.....نہیں۔ یہیں رک جائیں۔ کیونکہ جب بچپن میں آپ نے یہ عمل پڑھا تھا' تب شہد کی مکھیاں گھروں کو لوٹتی تھیں' مگر آج 2014ء میں ایسا نہیں ہوتا۔ وجہ ہے.....یہ!" موبائل کی طرف اشارہ کیا۔

"جب مکھی گھر سے نکلتی ہے تو اس کو اپنے گھر کا راستہ مقناطیسی لہروں کی مدد سے یاد رہتا ہے۔ وہ پھول پھل پہ بیٹھتی ہے' اور رس لے کر واپس گھر کی طرف اڑتی ہے' لیکن درمیان میں ...موبائل سگنلز کی لہروں کا جال بچھا ہوتا ہے۔ شہد کی مکھی جب کسی سگنل کی لہر سے ٹکراتی ہے تو مقناطیسی فیلڈ متاثر ہوتا ہے' یوں سمجھیں وہ چکرا کر رہ جاتی ہے' اور "کنفیوزڈ" ہو جاتی ہے۔ اس ٹکر سے وہ سمت کا تعین کھو دیتی ہے۔ وہ اپنے گھر کا راستہ بھول جاتی ہے۔ وہ پھر ماری ماری ایک جگہ سے دوسری جگہ اڑتی ہے' اور یونہی بھٹک کر کہیں گر کر مر جاتی ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ گھر لوٹنے والی مکھیوں کی تعداد کم سے کم ہو رہی ہے۔ اور جب مجھے یہ معلوم ہوا تو میں نے سوچا...کہ یہ آیتِ نحل ہے' اتنی اہم آیت جس میں سورۃ کا نام لکھا ہے' تو شہد کی مکھی کی مثال بیان کرنے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا؟"

حنین نے آنکھیں بند کر لیں' ان سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے تھے۔ وہ ایک سال پہلے کا سعدی بے خبر سا اسے کہہ رہا تھا۔

"تب مجھے احساس ہوا کہ....یہ موبائلز ہماری دنیا سے مٹھاس کیسے غائب کر رہے ہیں۔ کتنی ہی پیاری اور اچھی لڑکیاں' جنہوں نے شہد سے میٹھے گھر بنانے تھے' وہ روز گھر سے نکلتی ہیں' پھولوں' رنگوں اور خوشبوؤں کی آس لے کر' آسان راستوں پہ چلتی ہیں' مگر پھر....درمیان میں یہ موبائل سگنلز آ جاتے ہیں۔ اور ان کے راستے مشکل ہو جاتے ہیں۔ وہ کنفیوز ہو جاتی ہیں۔ کسی نامحرم سے فون پہ بات کرنے کے لئے ڈھیروں دلیلیں گھڑتی ہیں' فتوے لیتی ہیں' کزن بھی تو بھائی ہوتا ہے' اسلام اتنا بھی سخت نہیں' میں کوئی غلط بات تو نہیں کر رہی' وغیرہ وغیرہ۔ اور اسی کرب اور تکلیف میں وہ گھر کا راستہ بھول جاتی ہیں۔ وہ دربدر بھٹکتی رہتی ہیں۔ انہوں نے تو آسان راستوں پہ چلنا تھا' اپنے دلوں میں موجود قرآن سے' اور نور سے' لوگوں کو شفا دینی تھی' اپنے ٹیلنٹ اور پوٹینشل کو میٹھے کاموں کے لئے استعمال کرنا تھا' مگر یہ موبائل سگنلز ان کو بیمار کر دیتے ہیں۔ مرضِ عشق بہت موذی مرض ہے۔ اگر آپ میں سے کوئی اس میں مبتلا ہے تو یاد رکھئے' اس مرض کی شفا ہے' لیکن اس شفا کے لئے پہلے آپ کو اپنے راستے ٹھیک کرنے ہوں گے۔ وہ مشکل راہیں جن میں کرب ہے' پکڑے جانے کا خوف ہے' ان کو ترک کرنا ہو گا۔" کہنے کے ساتھ کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ "وقت کم ہے' میں اپنی باتوں سے کسی کو بور بھی نہیں کرنا چاہتا' اس لئے قصہ مختصر' یہ آیاتِ نحل ہمیں سکھاتی ہیں کہ جیسے گوبر اور خون کے درمیان سے پاکیزہ چیز نکل سکتی ہے' اور جیسے انگور اور کھجور سے ناپاک شے بن سکتی ہے' ویسے ہی شہد کی مکھی کے راستوں کو مشکل بنانے والی چیزوں کا صحیح یا غلط استعمال آپ کے ہاتھ میں ہے۔ مگر اتنا یاد رکھئے گا' کہ جو آپ کے نصیب میں ہے'

وہ آپ کو ضرور ملے گا۔ چاہے حرام سے' چاہے حلال سے۔ لیکن اگر آپ اس کو حرام سے لینے کی کوشش کریں گے' تو اللہ آپ کے حلال کی لذت لے لے گا۔ کچھ میاں بیوی پسند کی شادی کے باوجود بڑی ناخوش زندگی گزار رہے ہوتے ہیں' کبھی سوچا ہے کیوں؟ کیونکہ وہ شادی سے پہلے سب حرام سے لے چکے ہوتے ہیں' جو بعد میں ان کو مل ہی جانا تھا' اس لئے ان کے حلال کی مٹھاس ختم ہو جاتی ہے۔ آپ کسی کے ساتھ' بھلے اپنے منگیتر کے ساتھ ہی سیل فون پہ انوالوڈ ہیں' تو اتنا یاد رکھیں کہ محرم اور نامحرم کے قوانین آپ کی دلیلوں اور حیلوں بہانوں سے بدل نہیں جائیں گے۔ جو غلط ہے' وہ غلط ہے۔ آپ جتنا حرام لیں گے' اتنا اپنے حلال کو کھوتے جائیں گے۔''

ایک ثانیے کو رک کر اس نے طویل سانس بھری۔ ''لیکن' اس کے برعکس اگر آپ حرام چھوڑ دیں' جس چیز سے منع کیا جا رہا ہے' اس کو اللہ کے لئے ترک کر دیں' تو اللہ وہی چیز کچھ ہی عرصے میں آپ کو حلال بنا کر دے دے گا۔ یہ میں نہیں کہہ رہا' یہ امام ابن قیم نے سات سو برس پہلے کہا تھا۔ آپ جانتے ہیں' اللہ کسی کا کچھ نہیں رکھتا' وہ بہت غیرت والا ہے' آپ جو بھی اس کی راہ میں صدقہ کریں' یا قربانی' تو وہ اس کو کئی گنا برکت دے کر آپ کو لوٹا دیتا ہے۔ اس لئے...'' دوبارہ گھڑی دیکھی۔ ''حرام کو چھوڑ دیں' اس یقین کے ساتھ کہ اللہ اس کو حلال بنا کر آپ کو لوٹا دے گا۔ میرا وقت ختم ہوا۔ اپنے واٹس ایپ اسٹیٹس کو صرف چوبیس گھنٹوں کے لئے ان آیات میں تبدیل کر دیجئے گا تاکہ مجھے پتہ چل سکے کہ کس کس گروپ ممبر نے آج کی آیات سن لی ہیں اور مجھے پتہ ہے کہ آپ میں سے آدھے لوگوں نے نہیں سننی مگر خیر....السلام و علیکم ورحمتہ اللہ!'' اور ہاتھ بڑھا کر اس نے کیمرہ آف کر دیا۔ ویڈیو بھی رک گئی' اور حنین کی تو جیسے زندگی ہی ٹھہر گئی۔

وہ وہاں بیٹھی تھی' ہونٹوں پہ مٹھی رکھے' بھیگے چہرے کے ساتھ۔ آنسو ٹپ ٹپ ٹھوڑی تلے گر رہے تھے۔ اس نے تین ماہ اتنی دلیلیں' اتنے حیلے' اتنی صفائیاں سوچی تھیں۔ سعدی نے ان کو دس منٹ کی ایک ویڈیو میں ختم کر دیا تھا۔ محرم اور نامحرم کے اصول؟ ساری بات ہی ختم ہو گئی۔ اس کا پورا دماغ سن تھا۔

زمر کام کرتے کرتے مڑی تو اس پہ نظر پڑی۔ وہ ائیر فونز لگائے' اسکرین کو آنسو بہاتے دیکھ رہی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' فکرمندی سے پوچھا۔

''آئینہ!'' وہ بس اتنا بولی۔ پھر فون اٹھایا' اور واٹس ایپ اسٹیٹس بدل دیا۔ ساتھ میں ویڈیو کلپ کا نشان بھی بنایا۔ بھائی نہیں دیکھ سکتا' وہ جانتی تھی' مگر یہ ایک عادت تھی جو گئے برسوں میں کچھ عرصے کے لئے اس نے فالو کی تھی' سو اب بھی کر لی۔

''حنین؟'' زمر نے نرمی سے پکارا۔ حنین جواب دیے بنا ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔ زمر نے رخ موڑ لیا اور اسے رونے دیا۔ وہ روتی گئی' روتی گئی' روتی گئی۔ یہاں تک کہ آنسو ختم ہو گئے۔ پھر اس نے چہرہ اٹھایا' آنکھیں رگڑیں اور ہاشم کو کال کی۔ (وہ واٹس ایپ پہ ہی کال کرتی تھی' اسے معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ملک سے باہر ہے۔)

زمر نے رخ موڑے ایک ایک بات سنی جو اس نے ہاشم سے کہی اور پھر اس نے جب فون ڈالنے کی آواز سنی تو مڑ کر دیکھا۔ وہ اب سختی سے آنکھیں رگڑ رہی تھی۔ دونوں نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ خاموشی سب کہہ رہی تھی۔

اور اگر تم سے کبھی کوئی کہے، کہ انسان کی کی گئی نیکی گھوم پھر کر اس کے پاس ایک دن ضرور لوٹتی ہے، تو یقین کر لینا! کیونکہ ایسا ضرور ہوتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قصہ سازشِ اغیار کہوں یا نہ کہوں

شکوہِ یارِ طرحدار کروں یا نہ کروں؟

کلب کے لاؤنج میں روشنی مدھم تھی۔ بار کاؤنٹر کے ساتھ نوشیرواں اونچے اسٹول پہ بیٹھا تھا' اور مسلسل دونوں ہاتھوں سے موبائل کے بٹن دبا رہا تھا۔

شہرین باریک ہیل سے چلتی قریب آئی اور ساتھ والے اسٹول پہ بیٹھی' رخ اس کی طرف موڑا' اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ شیرو نے چونک کر آنکھیں اٹھائیں۔ اسے دیکھ کر ان میں خفگی آئی۔

''آپ ادھر؟ خیریت؟'' خشک روی سے کہتا' دوبارہ بٹن دبانے لگا۔ شہری نے اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر کاؤنٹر پہ ڈالا۔

''تین دن سے تمہیں کال کر رہی ہوں' اٹھاتے کیوں نہیں ہو؟'' تروٹھے پن سے گویا ہوئی۔ شیرو نے بے زاری سے شانے اچکائے۔ ''مجھ سے کیا کام آپڑا آپ کو؟''

''ہر وقت مجھ سے خفا کیوں رہتے ہو؟ دیکھو ہم اچھے دوست بھی تو ہیں آؤ' اب موڈ ٹھیک کرو' کارڈز کھیلتے ہیں۔'' اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔ وہ زیادہ دیر بے زار رویہ برقرار نہ رکھ سکا' اور ساتھ کھنچتا آیا۔

چند منٹ بعد وہ دونوں ایک میز کے گرد بیٹھے' پتے کھیل رہے تھے۔

''تم ہار رہے ہو شیرو!''

''نہیں... ابھی دیکھیے گا۔'' اس کی مکمل توجہ کارڈز پہ تھی۔ اپنے پتے دیکھ کر یہ سوچ رہا تھا کہ اب کون سا پھینکے کہ...

''مجھے کچھ دن کے لئے تمہاری جی فورٹی ون مل سکتی ہے؟'' ایک دم چونک کر شہری کو دیکھا۔ وہ بھی پتوں کو دیکھتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''کیا؟'' بظاہر نا سمجھی دکھائی۔ شہری نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اتنے ڈمب مت بنو۔ تمہاری جی فورٹی ون' گلاک گن جو پچھلی برتھ ڈے پہ تمہیں ہاشم نے گفٹ کی تھی' میرے سامنے تو تم نے تحفہ کھولا تھا۔ مجھے دے سکتے ہو چند دن کے لئے۔ کچھ دوستوں میں شو آف کرنا ہے۔''

شیرو نے پتے میز پہ ڈال دیے' تندہی سے اسے دیکھا۔ ''تو یہ سارا میٹھا انداز اس لئے تھا؟ اور میں سمجھا آپ کو واقعی میرا خیال ہے۔''

''خیال ہے تو دوست سمجھ کر ایک گن مانگ رہی ہوں' نہیں دینی تو نہ دو۔ غصہ کیوں ہو رہے ہو؟''

نوشیرواں کے حلق میں کانٹے اگ آئے۔ ''میرے پاس جی فورٹی ون نہیں تھی' فورٹی فائیو تھی۔ ماڈل تو ٹھیک سے یاد رکھا کریں۔'' سر

جھٹک کرادھرادھر دیکھا۔ ہتھیلیاں نم تھیں' اور رنگت بدل رہی تھی۔

شہرین کارڈز رکھ کر آگے ہوئی اور بغور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''رئیلی؟ مجھے تو جی فورٹی ون یاد پڑتی ہے۔''

''تو پھر آپ اپنی یادداشت کا علاج کروائیں' کیونکہ میرے پاس ایسی کوئی گن نہیں ہے' سنا آپ نے؟'' بھڑک کر کہتے وہ اٹھا۔ پیشانی بھی تر ہو رہی تھی اور آنکھوں میں بے چینی سی تھی۔ شہری نے گردن اٹھا کر دلچسپی سے اسے دیکھا۔

''ٹھیک ہے' مجھے غلط یاد ہوگا' ایک گن ہی تو ہے' اس میں اتنا غصہ کیوں دکھا رہے ہو؟''

وہ میز پہ دونوں ہاتھ رکھ کر جھکا اور سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔ ''آئندہ میرے راستے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے' جائیں' فارس کے آگے پیچھے پھریں۔ جیسے میں تو جانتا ہی نہیں۔''

شہرین کی ذرا رنگت بدلی' بے اختیار ادھر ادھر دیکھا۔ وہ اب سیدھا ہو کر مڑ گیا تھا اور باہر کی طرف جا رہا تھا۔

مگر شہری کو اپنا جواب مل گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ رات اس درد کا شجر ہے
جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے

وہ رات جب قصرِ کاردار اور ملحقہ انیکسی پہ اتری تو ستمبر کی گرم اور حبس زدہ فضا سے پُر تھی۔ نوشیرواں اپنے بیڈ پہ بے چینی سے کروٹ بدل رہا تھا' ذہن میں ہاشم کی باتیں گونج رہی تھیں۔

(''میرے پاس شہرین سے بڑے مسائل ہیں اس وقت۔ تم نے جو کہا' وہ بہت ہے' مزید اس پہ بات مت کرو۔ کچھ نہیں معلوم ہوگا اسے۔'')

البتہ ایک عجیب سی پریشانی اس کے وجود سے لپٹی تھی۔ کیا یہ مسئلہ کبھی نہیں ختم ہوگا؟ سعدی یوسف کا آسیب اس کا پیچھا کب چھوڑے گا؟ اس کمرے سے دور ہٹو تو انیکسی کی تقریباً تمام بتیاں بجھی تھیں۔ فارس سو رہا تھا' جب زمر احتیاط سے کمرے سے نکل آئی۔ تہہ خانے میں آ کر دروازہ لاک کیا' (دروازے ساؤنڈ پروف تھے) اور پھر جلدی سے فرش پہ بیٹھی حنہ تک آئی۔

''کیسے چارج کیا پین؟''

''لیپ ٹاپ سے۔ اس میں دو ویڈیوز ہیں۔ ایک جج صاحب کی ہے' میں نے ابھی وہی شروع کی تھی۔ دیکھیں۔'' وہ ویڈیو دیکھنے کے بعد دونوں نے اف جھرجھری لی۔ پھر حنہ نے دوسری ویڈیو کھولی۔ اب وہ دونوں فرش پہ بیٹھی تھیں' اور سامنے اسکرین کو چہرہ جھکائے غور سے دیکھ رہی تھیں۔

منظر کھلا اور ایک راہداری سی نظر آئی۔ آفس کے باہر منظر۔ ٹیبل کے پیچھے موجود سیکرٹری۔ ڈیسک کیلنڈر پہ واضح لکھی تاریخ۔ اکیس مئی۔

خاور اور ایک ساتھ گارڈ۔ کیمرے کے آگے پیچھے تھپتھپا کر چیک کر رہے تھے۔ ایک موبائل، چابیاں نکال کر سیکرٹری کی ٹوکری میں رکھا۔

سعدی آواز پسِ منظر سے آئی۔ حنین کے ابرو اٹھے۔

''بھائی نے کوٹ کی فرنٹ پاکٹ میں ڈالا ہوا ہے پین۔''

''اور یہ ہاشم کا آفس ہے۔ وہ اس کی تلاشی لے رہے ہیں۔''

پھر ''اوکے'' کے سگنل کے بعد کیمرہ آگے بڑھتا گیا۔ زمر کی آنکھوں میں تعجب ابھرا۔ ''وہ ڈیٹیکٹر سے چیک کر رہے تھے تو پین کیوں نہیں پکڑا؟''

''ماموں کے اس کون آرٹسٹ دوست نے بتایا تو تھا، یہ پین نہیں پکڑا جاتا۔ خاور اسلحہ یا وائر ڈھونڈ رہا تھا، اسے لگا ہوگا کہ یہ عام پین ہے۔ وہ ہاشم کا مہمان تھا، خاور اس کا کوٹ تو نہیں اتروا سکتا تھا۔''

دونوں کی نظریں اب اسکرین پہ ٹھہر گئی تھیں۔ اندر آفس میں تینوں کاردارز تھے۔ خاور تھا۔ سعدی نیکلیس میز پہ رکھ رہا تھا....

تہہ خانے میں لگی گھڑی کی ٹک ٹک واضح سنائی دے رہی تھی۔ سعدی قتل عمد کے بارے میں اسلام کے دونوں مذاہب کا نقطہ نظر بتا رہا تھا...

گھڑی کا پنڈولم مسلسل جھول رہا تھا... دائیں بائیں۔

وہ سعدی کو تیس کروڑ دے رہا تھا، جواب میں سعدی نے اس کے بھائی کی قیمت ساٹھ کروڑ لگائی تھی....

کونے میں چھوٹے سے باتھ روم کی ٹوٹی سے پانی لیک ہو رہا تھا۔ ٹپ ٹپ۔

ہاشم اب سعدی کو جج کو بلیک میل کرنے والا قصہ سنا رہا تھا۔ فائل دکھا رہا تھا۔

تہہ خانے میں پنکھے کی ہوا سے دیوار پہ لگے کاغذ ہلکے ہلکے پھڑپھڑا رہے تھے۔

ہاشم اب حنین کے امتحانی مرکز والے وکیل صاحب کو کال کر کے کہہ رہا تھا کہ وہ حنین کا کیس دوبارہ کھلوا سکتا ہے۔

پنکھے کی گڑگڑ مسلسل سنائی دے رہی تھی....

اب سعدی باہر سیکرٹری کے ڈیسک کے ساتھ نوشیرواں کو کہہ رہا تھا کہ مرد بنے... اور پھر... لفٹ کے دروازے بند ہوتے دکھائی دیے... اور اسکرین تاریک ہو گئی۔

اس وقت... اس دنیا میں.... اس شہر میں.... اس گھر میں.... اور کوئی آواز نہیں تھی۔ سانس لینے کی بھی نہیں، دل دھڑکنے کی بھی نہیں۔ کہتے ہیں جب فرشتے روح نکالتے ہیں تو آواز تک نہیں آتی۔ مگر کیا کبھی تم نے شیطان کو روح نکالتے دیکھا ہے؟

اس کی بھی آواز نہیں آتی۔

مری سرکشی بھی تھی منفرد، مری عاجزی بھی کمال تھی

میں انا پرست بلا کا تھا، سو گرا تو اپنے ہی پاؤں میں!

''کاردارز نے کیا ہے یہ سب۔'' حنین کسی خواب کی سی کیفیت میں بولی تھی۔ ''بھائی کو بھی انہوں نے ہی شوٹ کروایا تھا۔ بھائی انہی کے پاس ہے۔''

زمر فرش سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے حنین کو نہیں دیکھا۔ بس ننگے پیروں سے زینے چڑھنے لگی۔ تہہ خانے کا دروازہ کھولا۔ لاؤنج خاموش پڑا تھا۔ وہ قدم قدم اٹھاتی سیڑھوں تک آئی۔ اوپر چہرہ اٹھا کر دیکھا۔ سب دھندلا تھا۔ اندھیرے اور روشنی کے فلیشز سے چمک رہے تھے۔ کبھی منظر صاف ہوتا' کبھی اندھیرا چھا جاتا۔ اس کو گرم گرم آنسو اپنے گالوں پہ گرتے محسوس ہو رہے تھے۔ ریلنگ پہ ہاتھ رکھے' اس نے اوپر چڑھنا چاہا۔ قدم وزنی تھے' دل بھاری تھا' اور سانس... سانس اکھڑتی تھی۔

چوتھے زینے پہ وہ رکی' دہرے ہو کر چند گہرے سانس لئے... پانی سے لدی آنکھیں جھپکیں' پھر قدم اٹھائے۔ سر چکرا رہا تھا۔ اندھیرا۔ روشنی۔ پھر اندھیرا۔ دھواں ہی دھواں تھا۔

وہ اوپری سیڑھی پہ گھٹنوں کے بل گر سی گئی۔ ہاتھ ریلنگ سے پھسلتا نیچے آ گرا۔ چہرہ جھکائے' تیز تیز سانس لیتے' وہ دوہری ہوتی جا رہی تھی۔ آنکھوں سے گرم گرم پانی میں روانی آ گئی تھی' مگر ایسے لگتا تھا' وہ سب کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہے۔ کسی سلو موشن فلم کی طرح۔

دونوں ہاتھ فرش پہ رکھے' وہ دوہری ہوئی' پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ گھٹی گھٹی سسکیاں گونجنے لگیں' مگر ان کی آواز نہیں آتی تھی۔ سانس بے ترتیب تھا' اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔ دل لگتا تھا کسی نے کند چھری سے چار ٹکڑوں میں کاٹ دیا ہو۔ اندر سے خون بھل بھل نکلنے لگا ہو' اور اوپر سے آنسو گر رہے ہوں۔ اس کی بھی آواز نہیں آتی تھی۔

اس نے گیلے چہرے' اور اکھڑتے سانس کے ساتھ کھڑے ہونے کی کوشش کی' پیروں میں جان نہیں تھی۔ بدقت وہ کھڑی ہوئی۔ دیوار کا سہارا لیا۔ اس کو واقعی سانس نہیں آ رہا تھا۔

دیوار پہ ہاتھ رکھے' اس نے دروازہ دھکیلا۔ اندر مدھم نائٹ بلب جلا تھا۔ وہ کاؤچ پہ سو رہا تھا۔ وہ آج آفس سے تھکا ہوا آیا تھا' اس لئے بےخبر سو رہا تھا... بےخبری بھی نعمت تھی۔ وہ نعمت زمر یوسف خان سے چھن چکی تھی۔

وہ دروازے سے سر لگائے' وہیں چوکھٹ میں بیٹھتی گئی۔ اندر اے سی کی ٹھنڈ تھی۔ اسے یکدم سخت سردی لگنے لگی تھی۔ ہونٹ نیلے پڑنے لگے۔ سانس ڈوبتا جا رہا تھا۔

پہلی دفعہ' ہاشم کے ذہن میں گونجتے فقروں' فارس کی بے گناہی' سعدی' ان سب سے ہٹ کر پہلی دفعہ' زمر کو احساس ہوا کہ اسے واقعتاً سانس نہیں آ رہا۔ وہ کیفیت صرف جذباتی نہیں تھی۔ وہ جسمانی تھی۔ اسے استھما اٹیک ہو رہا تھا۔ اس نے کھانسنے کی کوشش کی' نہ ہوا اندر جاتی تھی' نہ باہر آتی تھی۔ اس کے ناخن سفید پڑ رہے تھے۔ منظر اندھیرے میں ڈوبتا' کبھی واپس روشن ہوتا....

نیم جان آنکھوں میں بے بسی لئے اس نے صوفے پہ لیٹے فارس کو دیکھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ ویڈیو دیکھنے سے پہلے، یا ان تین ماہ میں اگر کسی کو وہ اس تکلیف میں آواز دے سکتی تھی، تو وہ وہی تھا۔ مگر اب؟ کھویا ہوا حق کوئی کیسے واپس لائے؟

''فارس!'' اس نے مدھم سرگوشی میں پکارا۔ آنکھوں سے آنسو برابر گر رہے تھے۔ دل پہ مٹھی رکھے، وہ شدید تکلیف میں کھانسنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ تھکا ہوا تھا، اور واقعی نیند میں تھا، اس تک آواز نہیں گئی۔ زمر بمشکل اٹھی۔ چند قدم خود کو گھسیٹا۔ صوفے کے آگے رکھی میز کا کونہ پکڑے پکڑے شدید تکلیف میں بیٹھی۔ وہیں فرش پہ۔

(فارس!) آواز نہیں نکلی۔ صرف ہونٹ ہلے۔ اس کی سانس اکھڑ رہی تھی۔ اس نے بے جان ہوتے ہاتھ سے فارس کی آنکھوں پہ رکھا بازو ہلایا۔

''فارس.... اٹھو!'' آواز اب بھی نہ نکل پائی، مگر فارس نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو ہٹایا اور ایک دم اٹھتے ہی دوسرا ہاتھ تکیے تلے رکھی پستول تک گیا، مگر پھر، وہ رک گیا۔

''زمر؟'' خوابیدہ آنکھوں میں تعجب بھرے وہ اٹھا۔ اور پھر... کوئی احساسِ طمانیت تھا جو زمر کا منظر پھر سے دھندلانے لگا۔ نڈھال، تھکن زدہ۔

اگلے مناظر اس کو ٹوٹ ٹوٹ کر نظر آئے تھے۔ اندھیرے کے درمیان چند روشن کلپس... وہ پریشانی سے اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے اسے کچھ کہہ رہا تھا۔ پھر اس نے دیکھا وہ روشن باتھ روم کے سنک پہ کھڑی تھی، اور آئینے میں اسے نظر آ رہا تھا کہ وہ ٹوٹی سے اس کا منہ دھلا رہا ہے۔ اب بھی وہ اسے پکار رہا تھا... اندھیرا... پھر روشنی... اس نے دیکھا کہ وہ بیڈ پہ لیٹی تھی، تکیوں کے سہارے سر کی جگہ اونچی تھی، سردی کے باعث اس نے لحاف گردن تک تان رکھا تھا۔ پنکھا، اے سی سب بند تھا۔ اور وہ اس کو ان ہیلر دے رہا تھا...

زمر نے نڈھال سی ہو کر سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا۔ آنکھیں بند کر کے چند گہرے سانس لئے۔ آکسیجن بحال ہو چکی تھی۔ اس کی رنگت بہتر ہو رہی تھی۔ اس نے پانی سے لدی آنکھیں کھولیں۔ وہ ساتھ، ایک گھٹنا موڑے بیڈ پہ بیٹھا، فکرمندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اسے آواز آنے لگی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''آپ اپنے استھما کے لئے ان ہیلر کیوں نہیں رکھتیں ساتھ؟ آپ کو اندازہ ہے، اگر آپا کے میڈیسن کیبنٹ میں ان ہیلر نہ ہوتا تو کیا ہوتا؟''

اس نے گیلی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اسے لگا وہ اسے پہلی دفعہ دیکھ رہی ہے۔ پوری آستین کی ٹی شرٹ، ٹراؤزر، چھوٹے کٹے بال اور ہلکی بڑھی شیو۔ آنکھوں میں چھایا تفکر۔ زمر بیڈ کراؤن سے سر ٹکائے، اسے دیکھتی رہی۔

''وہ بیج زہریلے تھے!''

فارس ناسمجھی سے ذرا آگے ہوا۔ ''کیا چیز؟''

''کئی سال پہلے... جب یہ شہر... اسلام آباد... غیر آباد تھا... اور ہم... ہم سادہ' غریب لوگ تھے...'' اس کے چہرے کو تکتی وہ کہہ رہی تھی..'' تو ہم نے... ہم نے ایک غلطی کی۔ ہم نے غلط دوست بنائے فارس... ہم نے... آسٹریلیا سے دوستی کی... اس وقت وہ... ہمیں بے ضرر لگتے تھے... امیر تھے' مگر اچھے تھے۔ خوش اخلاق تھے... ہمیں لگا وہ ہمارے جیسے ہی ہیں' ہمارا بھلا چاہتے ہیں...'' آنکھوں سے گرتے آنسوؤں میں تیزی آگئی۔ وہ غور سے اسے دیکھتا' اس کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''ہماری حکومت... ہم... اپنا شہر آباد کرنا چاہتے تھے... ہمارے امیر دوست نے کہا وہ ہمارے مدد کرے گا... ہم نے اس پہ بھروسہ کیا... نہیں کرنا چاہیے تھا۔ فارس ہم نے کیوں اس پہ بھروسہ کیا؟'' بے چارگی سے پوچھتے وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

''آپ بے کار باتیں مت سوچیں' آرام سے سو جائیں' اب آپ کا سانس ٹھیک ہے۔'' وہ نرمی سے اس کی توجہ ہٹا رہا تھا' مگر اس نے نفی میں سر ہلایا۔ اسی طرح روتے کہتی رہی۔

''تمہیں پتہ ہے... آسٹریلین حکومت نے ہمیں بیج دیے' پھر اوپر...'' اشارہ کیا۔'' اوپر ہیلی کاپٹر سے وہ بیج پورے شہر میں گرائے گئے... ان سے درخت نکلے... اونچے مضبوط تناور درخت... وہ فارس ہماری دوستی کی علامت تھی... مگر وہ بیج زہریلے تھے... انہوں نے... اس شہر کو تباہ کر دیا۔ ان درختوں کی جڑیں میلوں دور تک پھیلی ہیں' اور وہ اس شہر کا میٹھا پانی پی گئے... اور ان کے پتے... ان کے پتے استھما لاحق کرتے ہیں... اس دوستی نے ہم سے ہمارا سانس تک چھین لیا فارس... ہم نے کیوں ان پہ اعتبار کیا؟'' وہ پھر سے بلک بلک کر رونے لگی تھی۔

''زمر گورنمنٹ پالیسی آپ کی غلطی نہیں ہے۔ وہ درخت آسٹریلیا میں بھی ہیں' بس ہمارے ماحول کو سوٹ نہیں کیے' جیسے ان کو خرگوش سوٹ نہیں کیے تھے۔ آپ کا استھما ٹھیک ہو جائے گا۔''

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔'' یہ تکلیف اب کبھی نہیں جائے گی۔ جب... جب وہ درخت لگائے جا رہے ہوں گے... تو کسی نے تو روکا ہو گا... کہا ہو گا کہ اس کی بات سنی جائے... ہم نے اس کی بات کیوں نہیں سنی؟ ہم اتنے ضدی' اتنے ہٹ دھرم' اتنے اندھے بہرے کیوں ہو گئے تھے؟ ہم نے اس کو کیوں نہیں سنا؟ اس کو ایک دفعہ وضاحت کا موقع کیوں نہیں دیا؟''

''زمر...'' اس نے غور سے زمر کی روتی آنکھوں میں جھانکا۔'' کیا کچھ ہوا ہے؟ کوئی اور بھی بات ہے؟ یا یہ صرف اس دمے کی تکلیف کی وجہ سے ہے؟''

زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔'' یہ تکلیف چھوٹی نہیں ہے۔ یہ تکلیف بہت زیادہ ہے فارس۔'' مٹھی سے دل پہ دستک دی۔'' مجھے اندر تک جلن ہو رہی ہے۔''

اس نے تشویش سے پوچھا۔'' پہلے کبھی ہوا ہے اتنا درد؟''

''کبھی نہیں ہوا۔ کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی تکلیف ہو گی فارس! میں کدھر جاؤں فارس؟''

''اٹھیں' میں آپ کو ہاسپٹل لے جاتا ہوں۔'' وہ واقعی اٹھ رہا تھا۔ زمر نے نفی میں سر ہلایا۔'' مجھے کہیں نہیں جانا۔''

''خدمت کریں۔''

''خدمت؟''اس کے دل کو آری نے چیر کر رکھ دیا۔اس نے آنکھیں بند کر لیں اور ٹیک چھوڑ کر لمبی لیٹ گئی۔

''مجھے سونا ہے،اور کبھی نہیں اٹھنا۔''اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔وہ کھڑا چند لمحے کے لئے اسے دیکھتا رہا۔

''کچھ کھانے کے لئے لا دوں آپ کو؟''

''زہر دے سکتے ہو؟''وہ بند آنکھوں سے بڑبڑائی تھی۔

''استغفر اللہ۔کیوں مجھے دوبارہ جیل بھیجنا چاہتی ہیں؟''اور فارس غازی تو ایسی باتیں کرتا رہتا تھا'اب بھی کہہ کر جھکا'اور اس کا تکیہ ٹھیک کرنے لگا۔زمر نے آنکھیں کھولیں'ان میں ایسا دل کٹنے والا احساس تھا کہ...الفاظ کو روک نہ پائی۔

''تمہیں مجھ سے نفرت نہیں ہوتی؟''

وہ جھک کر تکیہ درست کرتا رکا۔قدرے تعجب سے اس کو دیکھا۔''مجھے آپ سے نفرت کیوں ہو گی؟''

''میں نے چار سال پہلے تمہیں قید میں ڈالا تھا!''

''آپ نے سات سال پہلے مجھے قید میں ڈالا تھا!''وہ ہلکا سا بولا۔وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔وقت چند لمحوں کے لئے بالکل تھم گیا۔اس کا سانس پھر سے تھم گیا۔مگر اب یہ دمہ نہیں تھا۔یہ کچھ اور تھا۔

زمر کی آنکھوں سے آنسو ایک دفعہ پھر بہنے لگے۔وہ سیدھا ہو گیا۔نظریں چرا کر اس کو سونے کی تائید کرنے لگا۔زمر نے آنکھیں بند کر لیں۔

اب وہ واپس صوفے کی طرف جا رہا تھا...

نیچے تہہ خانے میں بتی اور پنکھا ہنوز چل رہا تھا۔گھڑی کی ٹِک ٹِک'ٹوٹی کی ٹپ ٹپ...سب سنائی دے رہی تھی۔حنین اسی طرح بے سدھ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی تھی۔اس کی آنکھیں خشک تھیں۔وہ ایک سیکنڈ کے لئے بھی نہیں روئی تھی۔بس بھنویں بھینچے بیٹھی رہی'بیٹھی رہی'بیٹھی رہی۔

پھر ایک دم اٹھی۔تیزی سے اوپر آئی۔گھر خاموش اور ساکن تھا۔وہ کچن میں آئی۔اسٹینڈ سے پھل کاٹنے والا چاقو اٹھایا اور بیرونی دروازے سے باہر نکل آئی۔

باہر سبزہ زار رات کے اس پہر خاموش پڑا تھا۔زیادہ وقت نہیں ہوا تھا'شاید بارہ یا ایک بجے تھے۔وہ تیز قدموں سے گھاس پہ چلتی آگے جا رہی تھی'اس کا چہرہ پتھریلا تھا'اور آنکھوں میں شعلے سے لپک رہے تھے۔

وہ کھڑی کتنی ہی دیر اس قصر کو دیکھتی رہی'پھر کنارے پہ لگی درختوں تک آئی۔ایک درخت کے قدموں میں بیٹھی اور زور زور سے اس کے تنے پہ چاقو مارنے لگی۔ضرب در ضرب۔نفرت سے،غصے سے،شاک سے۔
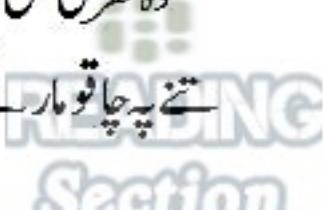
''حنین!'' آواز پہ چونک کر گردن گھمائی۔ خاور موبائل پہ بات کرتا اس طرف آ رہا تھا۔ پھر فون رکھا اور اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ قدرے تعجب سے اسے دیکھا۔

''تم اس وقت ادھر کیا کر رہی ہو؟''

''میں اس درخت کو کاٹنے کی کوشش کر رہی ہوں۔''

''فارس صاحب کو پتہ ہے کہ تم ادھر ہو؟ وہ خفا ہوں گے۔''

وہ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''مجھے یہ درخت زہر لگنے لگا ہے۔ دل چاہتا ہے اسے ایک ہی ضرب لگا کر گرا دوں؟ میں یہی سوچ کر چھری لیے گھر سے نکلی تھی۔ مگر میں غلط تھی۔ ایک ٹکڑے میں ذبح کر دینے سے تو سارا مزا ختم ہو جائے گا۔ کیوں نا بار بار کاٹا جائے؟ ہزار ٹکڑوں میں؟''

(اف ٹین ایجرز) خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے مسکرا کر اسے سائلنٹ کیا۔ ''انگریزی فلمیں کم دیکھا کرو اور اب اندر جاؤ۔ فارس صاحب نے دیکھ لیا تو اچھا نہیں ہو گا۔ جاؤ۔''

''تھینک یو، خاور...'' رکی۔ الجھن سے شانے اچکائے۔ ''میں آپ کو کیا کہہ کر پکارا کروں؟ صرف نام سے پکارنا برا لگتا ہے اور ریلیشن شپ ٹائٹلز سے میرا اعتبار اٹھ چکا ہے۔''

''کرنل خاور! تم مجھے کرنل خاور کہہ سکتی ہو۔''

''اوہ یس۔ آپ ایکس ملٹری ہیں نا' یاد آیا۔'' حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''اچھا لگا آپ سے بات کر کے کرنل خاور۔ ہمیں اکثر بات کرنی چاہیے۔'' وہ سر کو خم دیتا مڑ کر جانے لگا تو حنہ نے پکارا۔ ''کرنل خاور... آپ کی فیملی ہے؟''

خاور نے مڑ کر اسے دیکھا۔ ''ظاہر ہے!''

''اچھا۔ کون کون ہے آپ کی فیملی میں؟''

''میری والدہ' میری بیوی اور...'' ذرا رکا چہرے پہ مدھم سی مسکراہٹ آئی۔ ''میرا بیٹا۔''

''گڈ!'' اذیت سے مسکرائی۔ خاور کا فون پھر سے بجنے لگا۔ وہ مڑ گیا تو حنین بھی گھر کی طرف واپس چلی آئی۔ اس کی آنکھیں سرخ مگر خشک تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆
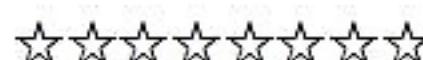
انا پرست تو ہم بھی غضب کے ہیں لیکن

تیرے غرور کا بس احترام کرتے ہیں

رات جانے کس پہر بارش ہوئی تھی کہ جب صبح طلوع ہوئی تو موسم خوشگوار اور ابر آلود تھا۔ زمر نے کروٹ بدلی' نیند ٹوٹی تو آنکھیں

کھولیں۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا گھڑی پہن رہا تھا۔ کھڑکی سے روشنی اندر چھن چھن کر آ رہی تھی۔

زمر کی آنکھیں بدستور جل رہی تھیں۔ اسی طرح کروٹ کے بل لیٹے' لحاف گردن تک تانے' ہلکا سا پکارا۔

''فارس!'' وہ چونک کر مڑا۔ راؤنڈ نیک کی شرٹ میں ملبوس' وہ گھڑی کی اسٹریپ بند کرتے آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔

''آپ کی طبیعت کیسی ہے؟''

''بہتر...'' وہ رکی، آواز خراب گلے جیسی تھی۔

''تمہیں کیسے پتہ تھا مجھے استھما ہے؟''

''مجھے آپ کے بارے میں بہت کچھ پتہ ہے۔ اسی لئے...'' اسٹریپ کا بکل بند کرتے ہوئے وہ اس کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔ ''کیا کل کچھ ہوا تھا؟ آپ صرف استھما کی وجہ سے ایسے نہیں رویا کرتیں۔''

زمر نے تھوک نگلا۔ ذرا سا بدقت مسکرائی۔ ''مجھے سعدی یاد آ رہا تھا' اور میں اس سے چار سال تک تعلق نہ رکھنے پہ گلٹی تھی۔ اب بھی میں بہت بہت گلٹی ہوں فارس!'' گلا پھر سے رندھا۔

''وہ مل جائے گا' میں اسے ڈھونڈ لوں گا' یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔'' پھر گھڑی دیکھی۔ ''میں چلتا ہوں' آپ آرام کیجئے گا۔''

''تم مجھے آپ کیوں کہتے ہو؟'' اسے عجیب وقت پہ عجیب سوال یاد آ رہے تھے۔

فارس نے ایک لمحے کے لئے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''کیونکہ ہم ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں۔''

اور فارس غازی تو اکثر ایسی باتیں کیا کرتا تھا۔ لیکن آج سے پہلے اتنا درد نہیں ہوا تھا۔ زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''کل رات کے لئے شکریہ!''

اس نے محض سر کو خم دیا اور مڑ گیا۔ مگر جاتے جاتے اس نے ایک دفعہ پھر زمر کو غور سے دیکھا تھا۔ (کچھ ہوا ہے اس کے ساتھ۔ کچھ بدل گیا ہے۔) لیکن کیا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

بیدار اہلِ قافلہ سونے کے دن گئے
ہشیار آگ سے ہے جنگل گھرا ہوا

چند گھنٹے مزید گزرے تو وہ تھکے تھکے قدموں سے چلتی سیڑھیاں اترتی دکھائی دی۔ بڑے ابا کے کمرے سے ملحقہ اسٹڈی کا دروازہ کھلا تھا۔ نیچے کشن رکھ کر نیم دراز حنین نظر آ رہی تھی۔ وہ ادھر آئی' دروازہ بند کیا اور کاؤچ پہ آ بیٹھی۔ دونوں نے خالی ویران نظروں کا تبادلہ کیا۔

''میں نے چپن سے وہ فلم مٹا دی ہے، اور اس کو سات مختلف جگہوں اور سی ڈیز میں ڈال کر محفوظ کر دیا ہے۔ آپ کیسی ہیں؟''

''تم کیسی ہو؟''

حنہ نے شانے اچکائے۔ ”میں شاکڈ ہوں۔“

چند لمحے خاموشی سے گزر گئے۔ زمر اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی اور حنہ چھت کو۔

”میں شروع میں فارس کو اچھا سمجھتی تھی، مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔“

”میں شروع میں ہاشم کو برا سمجھتی تھی، مگر پھر میری فیلنگز بدل گئیں۔“

زمر نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

”میں نے اس پہ بالکل اعتبار نہیں کیا۔“

”میں نے اسی پہ اعتبار کیا۔“ حنین چھت کو دیکھتے میکانکی انداز میں بولی تھی۔

”میں نے اس کی کوئی بات نہیں سنی حنہ!“

”میں صرف اسی کو سنتی رہی۔“

”مجھے نہیں پتہ تھا وہ ایسا نکلے گا۔ حنین!“

”مجھے بھی نہیں پتہ تھا وہ ایسا نکلے گا!“

”میں نے اس کا یقین کیوں نہیں کیا حنہ؟“

”میں نے اس کا یقین کیوں کیا، پھپھو؟“

پھر حنین نے نگاہوں کا رخ اس کی طرف پھیرا اور یاسیت سے اس کو دیکھا جو رات والے ملگجے لباس میں اداس سی کاوچ پہ ننگے پاؤں بیٹھی تھی۔ ناک کی نتھ کی چمک ماند تھی۔ حنین کو احساس ہوا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کا عکس تھیں۔ مرر امیج۔ جو ہو بہو ایک سا ہونے کے باوجود دائیں بائیں سے الٹا ہوتا ہے۔

”فارس ماموں نے کیا کہا جب آپ نے ان کو بتایا؟“

زمر نے بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ بولی کچھ نہیں۔ حنین ایک دم اٹھی۔ سوگ جیسے ٹوٹا۔ ”اوہ گاڈ۔ آپ نے ان کو نہیں بتایا؟“

”میں اس کو نہیں بتاؤں گی! کیا مجھے بتانا چاہیے؟“

حنین بالکل چپ ہو گئی۔ ”ماموں ہاشم کو گولی مار دیں گے۔ وہ اپنے غصے کو کنٹرول کرنا جانتے ہیں، لیکن اس ویڈیو سے وہ سمجھ جائیں گے کہ سعدی بھائی کاردارز کے ہی پاس ہے۔ اور....“

”اور وہ اس دفعہ صرف ان کو ایکسپوز کرنے یا مالی نقصان پہ بس نہیں کرے گا۔ وہ ان کی جان لے لے گا۔ میں ساری رات سوچتی رہی ہوں حنین۔ یہ ڈاکٹر ایمن یا نیاز بیگ یا جسٹس سکندر نہیں ہے، یہ ہاشم کاردار ہے، فارس کا اس سے تعلق ہے۔ وہ پاگل ہو جائے گا اور سب خراب ہو جائے گا۔ اس کا دل اسے کنٹرول کرنے لگے گا۔ اور ایسے میں وہ غلطی کر بیٹھے گا۔“ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ ”سعدی نے کہا

تھا مجھے، اسے ہاشم پہ شک ہے، میں نے کیوں اس کی بات نہیں سنی؟ میں نے فارس کی زندگی برباد کر دی حنہ!''

حنین اس کے قریب آئی۔ اس کے قدموں میں بیٹھے اس کے گھٹنوں پہ ہاتھ رکھے۔

''اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں تھا۔ انہوں نے ہر چیز بہترین طریقے سے پلان کی تھی۔ آپ نے اپنی صحت کھوئی تھی' آپ کے ابا کو فالج ہو گیا تھا' آپ اور کیا کرتیں؟''

زمر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔''

''آپ نے سنی تھی' پھر اپنی گواہی بھی واپس لے لی تھی۔ آپ نے ان کو جیل نہیں بھیجا۔ یہ سب کرنل خاور اور ہاشم کاردار نے کیا ہے۔ میری طرح خود کو الزام دے کر مایوسی کا شکار مت ہوں۔ مجھے دیکھیں۔'' بے چارگی سے شانے اچکائے۔

''مجھے لگتا تھا میں بہت روؤں گی' مگر میں نہیں روئی۔ میرے اندر کی آگ میرے آنسوؤں کو سکھا چکی ہے۔ مجھے ان سے انتقام لینا ہے۔ کل میں خنجر لے کر ان کے گھر گئی' سوچا جو سامنے آئے اس کو قتل کر دوں گی۔ مگر پھر میں نے سوچا' کہ ہم' یوسف خاندان' ہم ان سے ہر دفعہ کیوں ہار جاتے ہیں؟ کیونکہ ہم یوسف بن کر سوچتے ہیں' ہم کاردار بن کر نہیں سوچتے۔''

''اور سعدی کو واپس لانے کے لیے ہمیں کاردار بن کر سوچنا ہوگا۔'' زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔ نم آنکھیں رگڑیں۔ ''ہم فارس کو ابھی کچھ نہیں بتائیں گے۔ کاردارز نے ہمارے ساتھ ناٹک کھیلا اتنے برس۔ اب اداکاری کرنے کی باری ہماری ہے۔''

''اور ہم سے اچھی اداکاری وہ کر نہیں سکتے۔'' حنین انگارے ہوتی آنکھوں کے ساتھ مسکرائی۔ زمر بھی ہلکا سا مسکرائی۔

''آپ فارس ماموں کو اتنا تو بتا سکتی ہیں نا کہ آپ کو ان کی بے گناہی پہ یقین ہے؟''

زمر نے گہری سانس لی۔ ''حنین میں بہت گلٹی ہوں' مجھے نہیں لگتا میں کبھی دوبارہ لاء پریکٹس کر سکوں گی' میں نے اپنا اعتبار کھو دیا ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے' لیکن اگر تمہیں لگتا ہے کہ میں فارس کے قدموں میں گر کر معافی مانگوں گی' تو ایسا نہیں ہوگا۔ اگر میں زمر یوسف ہوں تو میں سرنڈر نہیں کر سکتی۔''

حنین نے اثبات میں سر ہلایا۔ چند لمحے خاموشی سے گزرے۔

''پھپھو ہم کیوں بے وقوف بن گئے؟ ہم تو اتنے جینئس لوگ تھے' اتنے اسمارٹ۔ کاردارز کو پہلے ہی دن سے کیوں نہ پکڑ سکے؟''

''یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا' ہر علم والے کے اوپر ایک علم والا ہوتا ہے۔ حنین آپ جتنے اسمارٹ ہو جائیں' کوئی آپ سے زیادہ اسمارٹ ہوتا ہے' اور کبھی آپ ان سے زیادہ اسمارٹ ہوتے ہیں۔ ہم بے وقوف نہیں تھے۔ ہم صرف انسان تھے۔ ہم خدا نہیں تھے۔ ہم دلوں کے حال نہیں جان سکتے۔ وہ ہمارے اتنے اچھے' اتنے میز ڈ اور ملنسار سے رشتے دار تھے' رشتے داروں پہ کون شک کرتا ہے حنہ؟''

''فی الحال ہمیں ان سے زیادہ اسمارٹ ہونے کی ضرورت ہے۔ اگر ہماری کمزوریاں ہیں' تو ان کی بھی ہوں گی۔''

''ہم ان کمزوریوں کو ڈھونڈیں گے۔ اور ہاشم کو ایسی سزا دیں گے' کہ دوبارہ وہ کسی کے ساتھ وہ نہ کر سکے جو ہمارے ساتھ کیا۔''

حنین ایک دم اٹھی۔ ''چاکلیٹ کھائیں گی؟''

کچھ دیر بعد اس کمرے میں جھانکو تو حنہ پاؤں لمبے کیے نیچے کشن پہ لیٹی تھی' اور زمر اوپر صوفے پہ لیٹی تھی۔ دونوں اپنی اپنی چاکلیٹ کا ریپر کھول رہی تھیں۔ فرش پہ گولڈن گول چاکلیٹس کا بڑا سا ڈبہ کھلا پڑا تھا۔ اور ارد گرد دس بیس گولڈن ریپر بکھرے تھے۔ آدھا ڈبہ ختم ہو چکا تھا۔

زمر نے ایک ریپر گول مروڑ کر نیچے اچھالا' اور چاکلیٹ چباتے ہوئے ایک دم ہنسنے لگی۔ ''میں واقعی چار سال پہلے ایک ریکارڈڈ کال سے بات کر رہی تھی' اور مجھے لگا میں فارس کی روح کو قتل جیسے جرم سے بچا رہی ہوں۔''

حنین نے ہنستے ہنستے گردن پیچھے کو پھینکی۔ ''اور ہاشم اور اس کی بوٹوکس کی ماری ماں... بائیس مئی کی صبح ہمارے گھر آ کر بولے..ہمیں کیوں اطلاع نہیں دی؟ ہاہاہا۔'' زمر ہنستی جا رہی تھی۔

''اور ہم نے ان کا شکریہ بھی ادا کیا تھا۔''

حنین کے ہنستے ہنستے آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ''اور میں ہاشم کو میسج کرتی رہی' وہ تو سارے میسج بھائی کو پڑھاتا ہو گا' کہ دیکھو میں تمہاری بہن کے ساتھ کیا کیا کر سکتا ہوں۔''

زمر بھی ہنستی جا رہی تھی۔ ''اور ہاشم میرے ہاسپٹل بلز پے کرتا ہے۔ جیسے مجھ پہ احسان کر رہا ہو۔'' حنین کے ہنستے ہنستے بہتے آنسوؤں میں تیزی آ گئی تھی....

باہر لاؤنج میں سیم منہ بسورے بیٹھا تھا۔ جو اندر چاکلیٹ کا ڈبہ کھایا جا رہا تھا وہ وہی تھا جو حنہ نے بہت پیار سے سیم کو برتھ ڈے پہ تحفے میں دیا تھا' اور آج اتنے ہی پیار سے اس کی الماری سے نکال لیا تھا۔ تبھی فارس اندر داخل ہوا۔ ابا کو سلام کر کے سیم کو پکارا۔

''تمہاری پھپھو اٹھی تھیں؟''

''ہاں' وہ اسٹڈی میں ہے۔ حنین کے ساتھ۔ تم جلدی آ گئے بیٹا۔'' ابا کو حیرت ہوئی۔

''زمر کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' میں نہیں لے کر جاؤں گا تو وہ چیک اپ کے لیے نہیں جائیں گی۔''

سیم نے ناراضی سے اسے دیکھا۔ ''بالکل ٹھیک ہیں وہ۔ اور وہ کٹو بھی بالکل ٹھیک ہے۔''

فارس نے غور سے اسے دیکھا اور ساتھ آ بیٹھا۔ ''کیا ہوا؟''

''پھپھو کے دماغ کو کچھ ہو گیا ہے۔''

(تمہیں آج پتہ چلا ہے؟) مگر صرف سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''میری ساری چاکلیٹس لے لیں' اب اندر بیٹھی ہیں' اور ہنستی جا رہی ہیں' میں ایک دفعہ اندر گیا تو وہ کٹو کہتی باہر جاؤ' ہم اس وقت بہت دکھی ہیں۔ یار ماموں' دکھ دکھ میں دونوں میری ساری چاکلیٹس کھا گئی ہیں۔''

فارس نے اچنبھے سے بند دروازے کو دیکھا۔ پھر اٹھ کر دستک دی۔ حنہ نے دروازہ کھولا۔

''جج والی ویڈیو مل گئی ہے ہمیں۔ دیکھیں اور آپ بھی انجوائے کریں۔'' مسکراتے ہوئے پین اس کی طرف بڑھایا۔ فارس کی نظریں پیچھے صوفے پہ دراز زمر تک گئیں۔ وہ چاکلیٹ کھولتے ہوئے مسلسل ہنستی جا رہی تھی۔

(استغفر اللہ) وہ خفگی سے بڑبڑا کر پین لیے اوپر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہر اک قدم اجل تھا، ہر اک گام زندگی

ہم گھوم پھر کر کوچہ قاتل سے آئے ہیں

یہ چند دن بعد کا قصہ ہے۔ رات ہارون عبید کے گھر بھی ویسی ہی سیاہ اتری تھی۔ ڈائننگ ہال میں لمبی سی میز کے گرد شاہانہ طرز کی اونچی کرسیاں رکھی تھیں۔ سربراہی کرسی پہ ہارون براجمان تھے' اور دائیں ہاتھ بیٹھی جواہرات سے گفتگو کر رہے تھے۔ وہ رات کی مناسبت سے سیاہ لباس میں ملبوس تھی' گردن میں سیاہ نگوں اور ہیروں سے جگمگاتے نیکلیس پہ انگلی پھیرتی مسکرا کر ہارون کی بات کا جواب دے رہی تھی۔ جواہرات کے دائیں ہاتھ آبدار بیٹھی' سر جھکائے چاولوں میں سست روی سے چمچ ہلا رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر جواہرات کو بھی دیکھ لیتی۔ ان نگاہوں میں ناراضی تھی' پوزیسو قسم کی ناراضی۔ تبھی آبی کے موبائل پہ پیغام آیا۔ ڈاکٹر نوید۔

''آبدار، دو کیسز مزید آئے ہیں، آپ کی ریکوائرمنٹ کے مطابق ہیں، انٹرویو ارینج کروا دوں؟'' وہ ایک دم خوشی سے ''جی شیور'' لکھنے لگی۔

''آبی!'' دفعتاً جواہرات نے مسکرا کر اسے دیکھا۔ ''تم اس روز ڈنر پہ نہیں آئیں' ہاشم تمہارا پوچھ رہا تھا۔'' آبی فوراً سنبھل گئی۔ ذرا سا مسکرائی۔

''آپ کو پتہ ہے میں پارٹیز' اور ڈنر پہ نہیں آیا کرتی۔ میں ہاشم سے معذرت کر لوں گی۔''

''اتنے سال بعد دوبارہ سے شہر موو کرنا' تمہیں مشکل تو نہیں ہوئی؟''

آبدار نے شانے اچکائے۔ ''مجھے سارے شہر اچھے لگتے ہیں۔ کراچی میں چند سال رہنے سے وہ بھی اچھا لگنے لگ گیا تھا۔''

''ہاشم میری کالز کا جواب نہیں دے رہا جواہرات۔'' ہارون نے گلہ کیا۔

''وہ جب سے واپس آیا ہے اپ سیٹ ہے، تم کچھ دن کے لیے میرے بیٹے کو تنگ نہ کرو تو اچھا ہے ہارون۔''۔ اور اس بات پہ فارمل سا قہقہہ بلند ہوا۔ آبی جبراً مسکرائی اور سر جھکائے منہ میں کچھ بڑبڑائی۔ دفعتاً نظر سرکے کی بوتل پہ پڑی۔ سرمئی آنکھوں میں شرارت چمکی۔ احتیاط سے ان کو دیکھا۔ جواہرات ہارون کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''اور یہ چائنیز کمپنی کا کیا مقصد ہے؟ ہاشم اور تم کن کاموں میں لگے ہو؟''

آبدار نے سرکے کی بوتل اٹھائی۔ بوتل چھوٹی تھی مگر اس پہ کوئی ٹیگ نہیں تھا۔ اس نے اپنے گلاس میں تھوڑا سا ڈالا' پھر... مصروف سے

انداز میں جواہرات کے واٹر گلاس میں انڈیلا۔ اسے پورا ابھرا۔ وہ دونوں ہنوز ایک دوسرے کو دیکھ کر معنی خیز انداز میں باتیں کر رہے تھے۔ قدرے فاصلے پہ کھڑے ملازم نے بے بسی سے آبدار کو دیکھا مگر آبی کی ایک گھوری اور وہ چپ رہ گیا۔

آبدار نے معصومیت سے بوتل بند کر کے پرے رکھ دی اور بہت سنجیدگی سے کھانا کھانے لگی۔ مگر لبوں پہ مسکراہٹ مسلسل تھی۔

دفعتاً اجازت طلب کر کے احمر اندر داخل ہوا۔ آبدار نے چونک کر سر اٹھایا' پھر خفگی سے اسے اور پھر ہارون کو دیکھا۔

''بابا' کیا ڈنر ٹیبل پہ بھی کیمپین مینیجر کا ہونا ضروری ہے؟''

''احمر کو میں نے ہی بلایا تھا۔ لاؤ' پیپرز دو۔'' احمر نے مودب سے انداز میں پیپر بڑھایا تو انہوں نے عینک ناک پہ جماتے دستخط کیے۔

جواہرات نے گردن اٹھا کر احمر کو دیکھا۔

''احمر شفیع.... تمہیں ہارون کے لئے میں نے ریکمینڈ کیا تھا۔ امید ہے تم نے ان کو مایوس نہیں کیا ہوگا۔''

احمر نے سینے پہ ہاتھ رکھ کر سر کو خم دیا' گویا شکریہ ادا کیا۔ پھر ڈیوٹی پہ کھڑی فلپینو میڈ کو مخاطب کیا۔

''سوزین پلیز مسز کاردار کا واٹر گلاس اٹھا لو اس پہ ڈسٹ ہے۔ گلاس بدل کر لاؤ۔''

آبدار نے ہڑبڑا کر سر اٹھایا۔ وہ سوزین کا انتظار کیے بغیر خود ہی گلاس اٹھا کر اسے پکڑانے لگا۔ آبی کی آنکھوں میں تلملاہٹ ابھری۔ احمر اسے دیکھے بغیر' کاغذ لئے واپس پلٹ گیا۔ وہ معذرت کر کے پیچھے آئی۔

''سنو احمر شفیع!'' لان میں تیزی سے چلتی آئی اور ناراضی سے اسے پکارا۔ احمر تسلی سے مڑا۔ ''جی؟''

''میرے ملازموں کی ہمت بھی نہیں ہے کہ میری ڈائیننگ ٹیبل پہ مداخلت کریں' تو آپ کو کس نے اجازت دی کر اکری ہٹانے کی؟''

''مس عبید' ہم دونوں کو پتہ ہے آپ نے کیا کیا ہے۔ ایک کڑوا گھونٹ پی کر' ذرا سا کھانس کر مسز کاردار یہاں آنا ترک نہیں کریں گی۔ اگر کچھ خراب ہو گا تو آپ کا اور آپ کے والد کا رشتہ۔''

وہ منہ میں کچھ بڑبڑائی۔

''مجھے فارسی میں گالیاں ذرا اونچی دیا کریں تا کہ مجھے سمجھ میں آئیں۔''

''اپنے دوست کی جگہ تمہیں مر ڈر ہو جانا چاہیے تھا۔'' اس کی شرٹ کی طرف اشارہ کیا۔ آج پھر وہ کسی ''سیوسعدی'' واک سے واپس آیا تھا۔

''نوازش لیکن وہ صرف مسنگ ہے۔ امید ہے کہ زندہ ہو گا۔''

وہ جو خفگی سے اندر جانے لگی رکی۔

''تو تاوان نہیں مانگا کسی نے؟''

''نہیں۔ مگر وہ نیسکام کا سائنسدان تھا تھر کول میں کام کرتا تھا' ایسا بندہ بذاتِ خود بہت قیمتی ہوتا ہے' تو یقیناً اس کو مقید رکھ کر اس سے قیمتی معلومات نکلوائی جا رہی ہوں گی۔ خیر یہ صرف ایک تھیوری ہے۔''

اور آبدار عبید' جو احمر شفیع پر فاتحہ پڑھ کر جانے لگی تھی' اور محض انسانی ہمدردی کے لئے چند سوال پوچھ لئے تھے' ایک دم رک کر اسے دیکھنے لگی۔

''تم کہہ رہے ہو کہ وہ تھرکول کا سائنسدان تھا' اور... اسے کسی نے کہیں چھپا رکھا ہے؟'' دل زور سے دھڑکا۔

''ہوں۔ اوکے۔ میں آفس جا رہا ہوں۔ آپ ڈنر مکمل کریں۔''

اور آبدار عبید وہیں گم صم کھڑی رہی۔ ایک لمحے نے اسے قید کر لیا تھا۔

وہ الہام کا لمحہ تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
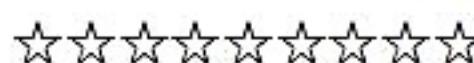
یہ غم جو اس رات نے دیا ہے

یہ غم سحر کا یقین بنا ہے

اس رات انیکسی کے تہہ خانے کی ساری بتیاں جلی تھیں' اور اس چھوٹے کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ فارس اور حنہ کرسی پہ بیٹھے تھے' جبکہ زمر میز سے ٹیک لگائے کھڑی حنین کو بتا رہی تھی۔ کہ کس طرح انہوں نے پچھلے ساڑھے تین ماہ میں اس گن کے تمام خریداروں کا پتہ کیا۔ مگر بے سود۔ جائے وقوعہ کے آگے پیچھے سی سی ٹی وی کیمرے چیک کروائے' مگر ہر جگہ سے ریکارڈنگ صاف ملتی۔ ایمبولینسز' ایئر ایمبولینس' پرائیوٹ ڈاکٹرز' سعدی کے ہر ممکنہ دوست' ایک ایک سے ملے۔ وہ بتائے جا رہی تھی اور حنین سن رہی تھی۔ (کیا جنگ میں جانے والے اور پیچھے بیٹھے رہ جانے والے برابر ہو سکتے ہیں؟ جب وہ خود کو ہاشم میں مصروف رکھ رہی تھی تو یہاں کوئی راتوں کو جاگ جاگ کر ایک ناممکن کام کو ممکن بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہاشم۔ اف۔ اس نے سر جھٹکا۔ وہ کوئی ٹین ایج کرش نہ تھا کہ حقیقت معلوم ہونے پہ دل سے نکل جاتا اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگتی۔ وہ تو مرضِ عشق تھا اور آج بھی پہلے کی طرح جان لیوا تھا۔)

فارس دیوار پہ لگی جج کی تصویر دیکھ رہا تھا جب حنہ نے پکارا۔

''آپ کو ہسپتال یوں جلانا نہیں چاہیے تھا۔''

فارس نے سوالیہ ابرو اٹھائی۔

''آپ کو ان دونوں میاں بیوی کو اندر لاک کر کے ہسپتال جلانا چاہیے تھا۔''

وہ ہلکا سا ہنسا۔ بہت دن بعد۔ شاید بہت سالوں بعد اس نے حنہ کو واپس موڈ میں دیکھا تھا۔ پھر آگے ہو کر لیپ ٹاپ کی اسکرین اس کے سامنے کی۔ اسے کام سمجھایا۔

''تم یہ کر لوگی؟ شیور؟''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں!''

زمر کافی بنانے جا رہی تھی' آج پوری رات جاگ کر ہر چیز فائنل کرنی تھی۔ جاتے جاتے رکی۔ ''حنہ' تمہارے لئے کریم ڈالوں؟''

''جی۔ بالکل۔'' حنہ نے مسکرا کر کہا۔ زمر بھی مسکرا کر سر ہلاتی چلی گئی۔ فارس نے ایک گہری نظر اس پہ ڈالی' دوسری حنین پہ۔ پھر ٹائپ کرتے ہوئے سرسری سا تبصرہ کیا۔

''کسی کی بڑی دوستی ہوگئی ہے۔''

حنین نے چونک کر اسے دیکھا، پھر چمک کر بولی۔ ''کسی کو بڑی جلن ہو رہی ہے۔''

''واٹ ایور!'' اس نے گویا ناک سے مکھی اڑائی۔ حنین مسکرا کر اسکرین کی طرف متوجہ ہوگئی۔ صد شکر کہ دل کی حالتیں راز ہی رہتی ہیں' ورنہ بہت سے لوگ مشکل میں پڑ جاتے....

اوپر زمر کچن میں کھڑی کافی بناتے ہوئے ندرت سے معمول کی باتیں کر رہی تھی۔ کھڑکی سے قصر کی پشت اور ہاشم کی بالکونی دکھائی دیتی تھی۔ زمر نے رخ بالکل موڑ لیا۔ کم از کم اگلے کچھ دن تک وہ ان کو دیکھنا بھی نہیں چاہتی تھی ورنہ خود پہ قابو رکھنا مشکل ہو جاتا۔ ابھی خود کو تیار کرنا تھا۔ مضبوط کرنا تھا۔ ایک لمبی اداکاری کے لیے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆
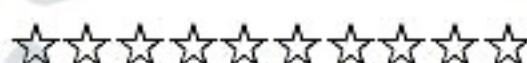
ہر اک سیہ شاخ کی کمان ہے، جگر میں ٹوٹے ہیں تیر جتنے

جگر سے نوچے ہیں اور ہر اک کا ہم نے تیشہ بنا لیا ہے

دو ہفتے بعد' جب ستمبر دم توڑ رہا تھا' اور حبس اور گرمی کافی حد تک کم ہو چکی تھی' انیکسی پہ شام پھیلی تھی۔ فارس اپنے کمرے کے باتھ روم مرر کے سامنے کھڑا تھا۔ آئینے میں خود کو دیکھتے' وہ ریزر سے آہستہ آہستہ شیونگ کریم وائپ کر رہا تھا۔ ایک وائپ۔ دوسرا وائپ۔ ایک جگہ ہلکا سا کٹ لگا تو وہ رکا۔ انگلی سے خون کی ننھی بوند کو چھو کر دیکھا۔ آنکھوں میں وہی سرد مہری تپش تھی۔

(''میں نے تمہیں اپنے چیمبرز میں صرف اس لئے بلایا ہے فارس غازی تاکہ تم وہاں تماشا نہ کرو۔'' وہ میز کے سامنے ہتھکڑی میں کھڑا تھا' اور میز کے پیچھے کھڑے جج' کپ میں ٹی بیگ کھولتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

''اب کہو جو تم نے کہنا ہے' اور پھر خاموشی سے غائب ہو جاؤ۔'')

فارس نے بلیڈ رکھا اور ٹونٹی کھولی۔ جھک کر ہاتھوں کے پیالے میں پانی بھرا اور چہرے پہ ڈالا۔ ٹھنڈا پانی چہرے کو دھوتا' کچھ چھینٹے آئینے پہ بھی گراتا گیا۔

(''میں یہ نہیں کہوں گا کہ بے گناہ ہوں' یہ فیصلہ میرا کیس سننے کے بعد آپ کو کرنا ہے' صرف اتنا چاہتا ہوں کہ میرا کیس سنا جائے۔ ہر چودھویں دن کسی قربانی کے جانور کی طرح مجھے کورٹ لا کر ریمانڈ میں توسیع کر دی جاتی ہے۔ چھ چھ مہینے تک سماعتیں نہیں ہوتیں۔''

ہتھکڑی لگے ہاتھوں کو میز پہ رکھے' وہ بے بسی بھرے غصے سے کہہ رہا تھا۔ ''تاریخ ملے تو پراسیکیوٹر نہیں آتا' کبھی جج غائب ہوتا ہے' کبھی ہڑتال ہو جاتی ہے۔ میں دو سال سے چودہ' چودہ دن کی امید پہ جیل میں معلق ہوں۔ مجھے یہ بھی پتہ ہے کہ تم لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے باہر نہیں لانا چاہتا' پھر بھی' میں تم سب کو ایک موقع دیتا ہوں...'' ان کی آنکھوں میں دیکھ کر توڑ توڑ کر الفاظ ادا کیے۔ ''میرا... کیس... سنا جائے۔ ہر ہفتے سنا جائے۔ غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی نہ کیا جائے۔ جج صاحب!'')

وہ آئینے میں اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے' سوچ میں گم ڈریس شرٹ کے بٹن بند کر رہا تھا۔ تین.... دو.. ایک۔ اوپری بٹن کو کاج میں مقید کرتے' اس کی آنکھوں میں وہی سرد سی آگ تھی۔

(جج صاحب اپنی کرسی پہ بیٹھے۔ رعونت سے اسے دیکھتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا' پھر کپ رکھ کر آگے ہوئے۔ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''اگلی دفعہ اگر مجھے پکارنے کی غلطی کرنا' تو مجھے 'یور آنر' کہنا۔ سنا تم نے؟ یور آنر۔ کیونکہ میں... ایک عزت مآب عدالت کا آنریبل جج ہوں۔'' سینے پہ انگلی رکھ کر تکبر سے کہا۔ ''میں ایک مین آف آنر ہوں۔ اگر تم سے بات کر رہا ہوں تو اس کو اپنی خوش قسمتی سمجھو۔ 'یور آنر' سنا تم نے؟ میں ایک سیلف میڈ آدمی ہوں۔ ایک دن میں عدالتِ عظمیٰ کا چیف جسٹس ہوں گا۔ اور تم جیسے آنر کلرز تب بھی جیل میں سڑ رہے ہوگے۔ تم مجھ پہ رشوت کا کیا الزام لگاؤ گے' پیسہ میرے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ میں.... فارس غازی' میں جسٹس سکندر حسین ہوں۔ میں اپنے آنر کے لئے جیتا ہوں۔'')

وہ اب کمرے میں ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے کھڑا تھا۔ گرے کوٹ پہنتے ہوئے اس نے اپنے عکس کو دیکھتے کالر درست کیے۔ پھر پرفیوم کی شیشی اٹھا کر اپنی گردن پہ اسپرے کی۔ لمحے بھر کے لئے آنکھیں بند کیں۔ خوشبو ہر جگہ پھیل گئی۔

(''تو تم پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہو کہ میں مجرم ہوں۔ اب میری بات سنو۔'' ہتھکڑیوں والے ہاتھ میز پہ رکھے' وہ کھڑے کھڑے جج کی طرف جھکا اور ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''میں پتہ ہے کون ہوں؟ میرے پاس وہ گنز کیوں ہوتی ہیں؟ کیونکہ میں.... ایک... شکاری ہوں۔ اور میں قبر تک اپنے شکار کا پیچھا کرتا ہوں۔ اس لئے یور آنر' تمہیں میں اس کیس سے دستبردار ہونے کے لیے تو کہوں گا ہی، لیکن ایک بات اپنے مالکوں کو بھی بتا دینا۔'' بنا پلک جھپکے اس کو دیکھتے ہوئے چبا چبا کر بولا۔ ''انہیں کہنا کہ ایک دن فارس غازی باہر ضرور آئے گا، اور اس دن۔۔ فارس غازی ہوگا' جج بھی... جیوری بھی... اور جلاد بھی!'' پھر سر کو خم دیا۔ ''یور آنر!''

''فارس!'' وہ مسکرائے۔ ''جس دن میں سپریم کورٹ کے جسٹس کا حلف اٹھا رہا ہوں گا، اس دن بھی تم جیل میں سڑ رہے ہوگے۔'')

اس نے آنکھیں کھولیں۔ (اس واقعے کے ایک دن بعد اس نے جج کو کیس سے دستبردار ہونے کی درخواست دے دی تھی، جج ہٹ بھی گیا لیکن سعدی کے ہاتھ ویڈیو لگ جانے کے بعد۔۔۔ سعدی نے سارا کھیل ترتیب دیا اور وہی جج دوبارہ اس کیس کی سماعت کرنے لگا۔)

فارس نے آہستہ سے کوٹ کا بٹن بند کیا۔ عکس میں اپنے پیچھے زمر آ کھڑی ہوتی دکھائی دی۔ وہ اس کی شرٹ کے کالر کو دیکھ رہی تھی۔

''تم ٹائی کیوں نہیں پہنتے؟'' فارس نے چہرہ موڑ کر انہی سرد تپتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ ٹائی مجھے پھانسی کے پھندے کی طرح لگتی ہے۔''

اور فارس غازی تو ایسی باتیں کیا کرتا تھا' لیکن آج سے پہلے اتنا درد.. زمر نے نگاہیں چراتے سر جھٹکا۔ وہ سیاہ ڈریس میں بال ہاف باندھے' تیار کھڑی تھی۔

''تم تیار ہو؟''

''پوری طرح!'' وہ کہتے ہوئے چابیاں اٹھائے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

صبح کا بادشاہ شام کو مجرم ٹھہرے

ہم نے پل بھر میں نصیبوں کو بدلتے دیکھا ہے!

ہال میں وسیع پیمانے پہ ڈنر ٹیبلز لگی تھیں۔ ہائیکورٹ بار ایسوسی ایشن کے ممبرز' ججز' سینئر وکلاء' پراسیکیوٹرز' سب شامل تھے۔ ایک بھورے سوٹ والا شخص جو وکیل نہیں تھا' مگر جس طرح آگے پیچھے ہدایات دے رہا تھا' اس سے صاف ظاہر تھا کہ جو ڈنر بظاہر جسٹس سکندر کی طرف سے ''ہائیکورٹ کا جج مقرر ہونے کی خوشی'' میں دیا گیا ہے' اس کا فنڈ کرنے والا یہی امیر آدمی ہے۔

ایک میز پہ زمر یوسف کھڑی تھی۔ سیاہ لباس' اور ہلکی جیولری کے ساتھ مسکراتے ہوئے وہ جسٹس سکندر کو مبارکباد دے رہی تھی۔

''آپ آج کل نہیں نظر آ رہیں۔'' سعدی والی تلخی بھلائے (کہ یہ تو کچہری کا روز کا معمول تھا) وہ مسکرا کر پوچھ رہے تھے۔

''جاب ختم ہونے کے بعد کچھ ماہ پرائیویٹ پریکٹس کی تھی۔ کچھ دن سے وہ بھی چھوڑ دی ہے۔ آج کل ہاؤس وائف ہوں۔'' مسکرا کر ساتھ سوٹ میں ملبوس ہینڈسم سے فارس کی طرف اشارہ کیا تو جسٹس صاحب اس کی طرف مڑے۔ ایک معنی خیز مسکراہٹ اسکی طرف اچھالی۔

''معلوم پڑتا ہے کہ شکاری نئی زندگی شروع کر چکا ہے۔ گڈ!'' مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ فارس کھلے دل سے مسکرایا۔ بڑھا ہوا ہاتھ تھاما۔

''کر تو چکا ہوں' لیکن انسان اپنے ماضی سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔'' جسٹس صاحب کی آنکھوں میں دیکھ کر اضافہ کیا۔ ''یور آنر!''

''گڈ گڈ!!'' انہوں نے سر اثبات میں ہلایا۔ ''ہماری دعوت قبول کرنے کا شکریہ۔ خوشی ہوئی تم سے دوبارہ مل کر۔''

''مجھ سے زیادہ نہیں ہوئی ہوگی۔ اور بہت مبارک ہو آپ کو یور آنر۔ بالآخر آپ کو وہ سب ملنے جا رہا ہے' جس کے آپ مستحق ہیں۔''

جج صاحب نے سر کے خم سے شکریہ وصول کیا۔ فخر سے ارد گرد پھیلی تقریب' اس عزت اور وقار کو دیکھا جو ہر ایک کی آنکھوں میں ان کے لئے تھا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا' شکاری۔ ایک دن ہم سپریم کورٹ بار میں ملیں گے۔'' فارس ہلکا سا ہنس دیا۔

''اور ہاں' تمہارے بھانجے کا افسوس ہوا۔لگتا ہے' اس نے اپنے قد سے بڑے دشمن بنا لئے تھے مگر تم اپنا خیال کرنا۔'' کالر جھاڑے اور آگے بڑھ گئے۔ان سے ہاتھ ملانے کے لئے بہت سے لوگ منتظر تھے۔

طویل میز کے گرد بیٹھے افراد اب اٹھ اٹھ کر بفے ٹیبل کی جانب جا رہے تھے۔زمر اپنی جگہ سے اٹھی۔چند وکلاء حدِ سماعت میں بیٹھے تھے' سوشائستگی سے فارس کو مخاطب کیا۔

''آپ کو کچھ لا دوں۔''

''میں آ رہا ہوں۔'' وہ اس کے ساتھ اٹھا۔وکلاء برادری کو یاد تھا کہ وہ مرڈر ٹرائل کے تحت چار سال جیل میں رہا ہے' یہ بھی یاد تھا کہ زمر نے اس کے خلاف گواہی دی تھی' اور اکثریت کو اس کے گناہگار ہونے کا یقین بھی تھا' لیکن مقدمے' جیل' پیشیاں یہ اس کمیونٹی میں اتنا عام تھا' خود ہر ایک پہ اتنے کیسز تھے اور اتنے کیسز میں اس نے ایک دوسرے کو پھنسا رکھا تھا کہ عام لوگوں کی نسبت ان کو اس بات سے فرق کم پڑتا تھا۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے بفے ٹیبل تک گئے۔فارس نے جھک کر اس کے کان کے قریب سرگوشی کی۔''مجھے آپ نہ کہا کریں' میں صداقت تھوڑی ہوں؟'' زمر نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔وہ مسکرایا تھا۔وہ نہیں مسکرائی' چپ چاپ کھانا ڈالنے لگی۔وہ ڈل لگ رہی تھی۔

دفعتاً ایک ویٹر وہاں سے گزرا اور ریموٹ اٹھائے' اس نے باری باری ریسٹورانٹ میں لگے ہر ٹی وی اسکرین کا چینل بدلا۔ایک مخصوص چینل سیٹ کیا۔اور آواز اونچی کر دی۔پھر سر جھکائے فارس کے قریب سے گزرنے لگا تھا تو فارس نے اس کی جیب میں لپٹے ہوئے نوٹ رکھے' اور کندھے کو ہلکا سا تھپکا تو وہ آگے بڑھ گیا۔فارس نے نظر اٹھا کر سی ٹی وی کیمرے کو دیکھا' جس کا رخ اس طرف نہیں تھا اور مسکرایا۔(آج کی شام، یور آنر کے نام!)

وہ دونوں واپس طویل میز پہ آ بیٹھے' تو جسٹس سکندران کے سامنے' مگر چند کرسیاں چھوڑ کر بیٹھے تھے۔وقار سے کھڑی گردن' اور فخر سے اٹھے کندھوں کے ساتھ وہ کہہ رہے تھے۔

''میں آپ کو بتاؤں جسٹس اسید' ایسے موقعے ہر شخص کے کیریئر میں آتے ہیں' لیکن حلال کا ایک لقمہ جو آپ اپنی اولاد کے حلق سے گزارتے ہیں' اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔'' وہ کہہ رہے تھے اور باقی افراد نے ہر شے جاننے کے باوجود بھی سر دھنا۔''وہ کہتے ہیں نا کہ گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہوتا ہے....''

''شیر کا ایک دن!'' فارس نے مسکراتے ہوئے گلاس لبوں سے لگایا۔جسٹس صاحب اپنا فقرہ پورا نہیں کر سکے کیونکہ زمر نے کانٹا زور سے پلیٹ میں گرایا تھا۔

''اوہ گاڈ!'' چہرہ موڑے وہ اتنا اونچا بولی کہ چند لوگ اسے دیکھنے لگے' پھر اس کی نگاہوں کے تعاقب میں ٹی وی اسکرین کو دیکھا اور....

ریسٹورانٹ کے اس ہال میں تین ٹی وی اسکرینز نصب تھیں۔یہ بڑی بڑی صاف اور واضح اسکرینز۔اور سب لوگ اب مڑ مڑ کر ان پہ چلتی

نیوز دیکھ رہے تھے۔ نیوز کاسٹر حسب معمول حلق پھاڑ کر اونچا اونچا کہہ رہی تھی۔

''یہ ویڈیو کچھ دیر پہلے انٹرنیٹ پہ پوسٹ ہوئی ہے اور اس کے ساتھ ہی وائرل ہو گئی ہے۔ ہم آپ کو ایک دفعہ پھر بتاتے چلیں کہ ویڈیو میں موجود سیاہ کوٹ والے شخص کی شناخت ہائیکورٹ جج جناب جسٹس سکندر حسین شاہ کے نام سے ہوئی اور...''

ریسٹورانٹ میں سناٹا چھا گیا تھا' جسٹس سکندر ہاتھ میں گلاس پکڑے سُن سے گردن اٹھائے وہ ویڈیو دیکھ رہے تھے۔ ایچ ڈی کوالٹی کی صاف اور واضح ویڈیو۔ جس میں اسٹڈی ٹیبل کے سامنے ایک کرسی پہ اوسی پی صاحب نظر آ رہے تھے' اور تیز تیز کاغذ پہ کچھ لکھ رہے تھے۔ ان کے سر پہ جسٹس صاحب کھڑے تھے اور غصے سے کچھ کہہ رہے تھے' آواز ٹھیک سے نہیں آ رہی تھی' مگر آواز کی ضرورت بھی نہ تھی' کیونکہ جیسے ہی اوسی پی نے کاغذ اور قلم رکھا' جج نے جو اب اس کے سر کے پیچھے کھڑے تھے اور کیمرے میں بہت واضح نظر آ رہے تھے' ایک دم اوسی پی کی گردن میں بازو ڈال کر ان کو جکڑا' اور اس سے پہلے کہ وہ ان کا ہاتھ ہٹا پاتے' جج نے ایک سرنج اس کے کندھے میں گاڑھی۔ اوسی پی مزاحمت کر رہے تھے' ان کا بازو ہٹاتے' ہاتھ پاؤں مار رہے تھے' لیکن پھر... ان کا جسم ڈھیلا پڑتا گیا۔ گردن ایک طرف لڑھک گئی۔ جج نے سرنج جیب میں ڈالی' کالر جھٹکے۔ اوسی پی کا سر کاغذ پہ رکھا' بازو درست کیے۔ جیسے وہ لکھتے لکھتے سو گئے ہوں' اور جانے کے لئے مڑ گئے۔ یہ ایک طویل ویڈیو میں سے کاٹا ہوا ایک ننھا سا کلپ تھا جس کی قیمت سعدی یوسف نے فارس غازی کی بریت لگائی تھی۔ اب وہی کلپ ریسٹورانٹ میں ایک نیشنل ٹی وی چینل پہ چل رہا تھا اور جسٹس سکندر کا چہرہ سفید پڑ رہا تھا۔

پھر لوگ مڑ مڑ کر ان کو دیکھنے لگے۔ حیرت' شاک' اور ایکسائٹمنٹ سے۔ ان کا الٹا رکھا موبائل مسلسل وائبریٹ ہونے لگا۔ ڈنر کے فنڈر نے جلدی سے ویٹر کو اشارہ کیا' وہ اب اس سے پچھلے دروازے کا پوچھ رہا تھا۔ جسٹس سکندر ایک دم اٹھے۔ کسی سے بھی نگاہ ملائے بغیر وہ بیرونی دروازے کی طرف بڑھے۔ دو کلاء ان کے ساتھ لپکے۔

فارس غازی نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ گلاس سے مزید ایک گھونٹ بھرا اور دلچسپی سے ارد گرد پھیلی افراتفری دیکھی....

جسٹس سکندر نے بیرونی دروازے سے باہر قدم رکھا تو نیچے سڑک پہ رپورٹرز تھے۔ ان کے کیمرے' فلیش کی چمکتی لائیٹس۔ مائیکس کی قطار۔ پریشان حال سا مینیجر کہہ رہا تھا۔ ''سر ہمیں نہیں معلوم ان کو کس نے ادھر بلایا ہے لیکن...''

اندر ٹیک لگائے بیٹھے فارس نے گلاس سے آخری گھونٹ بھرا۔ اس کے لبوں پہ سرد سی مسکراہٹ ہنوز جمی تھی۔

جسٹس سکندر کو کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے زینے اتر رہے تھے۔ (اے ایس پی' آج رات ایک لڑکے کو غائب کرنا ہے۔ ہسپتال کا نام بھیج رہا ہوں' مگر پہلے اس کا آپریشن ہونے دو' ڈاکٹر توقیر بخاری کو بھی ادھر بلا لو۔ لڑکے کو زندہ سلامت نکالنا ہے۔)

گارڈز میڈیا کے نمائندوں کو روکنے کی کوشش کر رہے تھے مگر یکے بعد دیگرے مائیک ان کے چہرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

''کیا آپ اس ویڈیو کی تصدیق کرتے ہیں؟''

''کیا انٹرمیڈیٹ بورڈ کے آفیسر کانفیڈینشل پریس کی جان لینے والے آپ ہی تھے۔''

(میرے بس میں ہوتا تو اس لڑکے کو وہیں ختم کروا دیتا۔لیکن دوستوں کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ارے نہیں' فکر مت کرو' کسی کو علم نہیں ہوگا۔ ہو بھی جائے تو وہ متوسط طبقے کے معمولی لوگ ہیں' ہمارا کیا بگاڑ لیں گے؟ جانے دو اے ایس پی' بہت دیکھے ہیں فارس غازی جیسے!)

وہ چہرہ جھکائے' اپنے ساتھیوں کی معیت میں ہجوم سے نکل رہے تھے۔ ساتھی وکلاء اور گارڈز بمشکل رپورٹرز کے درمیان سے راستہ بنا پا رہے تھے۔ریسٹورانٹ میں کھانا بھول کر چہ مگوئیاں' اور پھر ڈسکشن شروع ہو چکی تھی۔ ٹی وی کی آواز اونچی کر دی گئی تھی۔ڈنر کے فنڈ رکو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔اس کے ہائیکورٹ میں تیرہ کیسز پھنسے تھے' اور ان کو چند منٹ پہلے تک پہیئے لگ جانے تھے' مگر اب...؟

باہر جسٹس صاحب کی کارروانہ ہوئی اور ذرا طوفان تھما' تو وہ دونوں بھی نکل آئے۔ پارکنگ ایریا تک جاتے ہوئے فارس کہہ رہا تھا۔

''اسٹینی کے مطابق' سعدی نے جج کو کہہ رکھا تھا کہ یہ ویڈیو اس کے لائر کے پاس ہے' اور اسے کچھ ہونے کی صورت میں' وہ اس کو انٹرنیٹ پہ ڈال دے گا۔اب دیکھنا یہ ہے کہ جج کو اس اسکینڈل سے نکالنے کے لئے کون آتا ہے؟'' وہ محفوظ سا کہتا کار کالاک کھول رہا تھا۔زمر دوسری طرف خاموش کھڑی تھی۔

''جج ایک مہرہ نہیں تھا' وہ ان لوگوں کا دوست ہے' سو اس کے دوست اس کو بچانے ضرور آئیں گے۔کوئی سیاستدانوں میں سے' کوئی وکلاء برادری سے' کوئی بزنس کمیونٹی سے اور کوئی قانون نافذ کرنے والے اداروں سے۔ ہم یہ دیکھیں گے کہ کون کون اس کو بچانے آتا ہے۔وہ لوگ اب بوکھلا چکے ہوں گے' اور وہ غلطیاں کریں گے۔ زمر میں آپ سے بات کر رہا ہوں۔'' لاک میں چابی روک کر اس نے اسے پکارا۔ زمر نے چونک کر سر اٹھایا' پھر گردن ہلائی۔ ''ہوں' میں سن رہی ہوں۔اس طرح ہم ان سب لوگوں تک پہنچ جائیں گے۔''

فارس نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا۔ ''ہم سعدی تک پہنچنے کے اتنا قریب ہیں۔'' انگلی اور انگوٹھے سے ایک انچ کا فاصلہ دکھایا۔ ''مگر آپ اتنی ڈل اور بجھی بجھی کیوں لگ رہی ہیں؟''

''نہیں تو۔''

''کچھ تو ہوا ہے۔ ورنہ کل رات تک آپ بہت ایکسائٹڈ اور خوش تھیں۔'' پھر یاد آیا۔ ''صبح آپ اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی تھیں۔ کیا کہا اس نے؟''

زمر نے چونک کر اسے دیکھا۔ (''مسز زمر'' ذہن میں ڈاکٹر قاسم کے الفاظ گونجے۔ ''میرے پاس آپ کے لیے اچھی خبر نہیں ہے۔'')

''ہاں میں گئی تھی۔'' وہ سانس لینے کو رکی۔ وہ غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(''جس عطیہ شدہ گردے پہ آپ سروائیو کر رہی ہیں' وہ ناکارہ ہو چکا ہے۔'')

''مگر فارس... ڈاکٹر صاحب تھے ہی نہیں۔ میں انتظار کر کے واپس آ گئی۔'' وہ دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ دل ہنوز زور زور سے دھڑک رہا تھا' مگر اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)